یا اللہ مدد — اسلامی کلمہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ — حق چار یار

بیاد
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

فیضان
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین

مجلّہ صفدر

87 مئی 2018 — شعبان المعظم/رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ

مولانا محمد الیاس گھمن کی خدمت میں!

مروجہ مجالس ذکر......اکابر اہل سنت دیوبند کی نظر میں!

''صحابہؓ کے دور میں اس بات کا التزام نہیں کیا جاتا تھا کہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں، بلکہ ایسا کرنے کو وہ بدعت جانتے تھے، اسی ناجائز طریقے کو ہم جماعتی یا اجتماعی ذکر کا نام دیتے ہیں۔'' [ص:۳۱]

''اجتماعی ذکر (ذاکرین کے اکٹھے بیٹھنے) میں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک جگہ جمع ہو کر لوگ اپنے اپنے معمولات کا ذکر کرتے رہیں۔ یہ کئی نوع سے موجب تاثیر ہے۔ لیکن حلقہ (آواز ملا کر ذکر) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔'' [برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ۔ ص:۱۵]

مولانا امین اوکاڑوی رحمہ اللہ نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے پوچھا کہ: ''حضرت! ہم بریلویوں کے جماعتی ذکر جہر کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن حضرت خود بھی مجلس ذکر کرتے ہیں اور ذکر جہر کراتے ہیں؟'' تو حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''ہم تعلیم کے لیے ذکر جہر کراتے ہیں۔'' [مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ۔ ص:۲۲]

0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

کیا عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی کہنے کی بنیاد خواب پر ہے؟

شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا مدظلہم [ماہنامہ لولاک: ۴۸، رمضان ۱۴۳۰ھ میں] لکھتے ہیں:

''فرمایا: وہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے، (کہ عقیدہ امامت ختم نبوت کے منافی ہے۔[ناقل])
راقم نے عرض کیا کہ: وہ خواب کی بات ہے۔خواب سے کسی کے عقیدے پر دلیل لانا کیسے صحیح ہے؟''

حالانکہ

یہ بات کہ: ''اِس مسئلے کی بنیاد خواب پر ہے۔'' دووجہ سے غلط ہے:

(۱)......پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۷۶ھ) کے اِس مبارک خواب سے صدیوں پہلے بھی اکابر اہل سنت یہ بات لکھ چکے ہیں، چنانچہ

[۱]......پانچویں صدی ہجری کے حنفی عالم امام ابوشکور محمد بن عبدالسعید السالمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومنهم من قال لأن العالم لايخلو من الإمام، والإمام من أولاد الحسن والحسين، وهو يتعلم العلم من الله أو من جبريل، فمن لا يعرفه ولا يؤمن به فموته موت الجاهلية، وهذا كفر؛ لأن هذا إثبات النبوة." [التمهيد: ۱۸۰] (ترجمہ) اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ: ''یہ عالم امام سے خالی نہیں ہوتا، اور امام حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہوتا ہے جو براہ راست اللہ تعالیٰ سے یا جبریل سے علم حاصل کرتا ہے۔پس جو شخص امام کو نہ جانے اور اس پر ایمان نہ لائے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔'' یہ عقیدہ کفر ہے۔اس لیے کہ یہ (امام کے لیے) نبوت کا اثبات ہے۔

[۲]......پانچویں صدی کے شافعی عالم شیخ ابوالحسن علیؒ کا فتویٰ مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوریؒ نقل کرتے ہیں:

''آخر فقہائے اہل السنۃ والجماعۃ ایک مجلس میں جمع ہوئے، شیخ ابوالحسن علی بن عبدالرحمٰن نے، جو شافعی مذہب کے بڑے عالم تھے، قتل باطنیہ کے وجوب کا فتویٰ دیا، اور برملا کہہ دیا کہ: ''اِس فرقہ کی طرف سے محض اقرار باللسان اور تلفظ بالشہادتین کافی نہ ہوگا، کیونکہ جب ان سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ: اگر تمہارا اِمام ایسے اُمور مباح کردے جسے شریعت اسلام نے حرام قرار دیا، یا ایسی چیزوں کو ناجائز کہہ دے جسے شریعت مطہرہ حلال اور جائز ٹھہراتی ہے تو کیا تم شریعت کا حکم مانو گے یا اپنے امام کا؟ تو وہ صاف لفظوں میں جواب دیتے ہیں کہ: ہم اپنے امام کے حکم کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ایسی حالت میں باطنیہ کا قتل بالاتفاق مباح ہوجاتا ہے۔الکامل فی التاریخ: ۱۰۸/۹۔'' [ائمہ تلبیس: ۳۴۶]

(باقی صفحہ 55 پر)

ترتیب

پیام صفدر مدیر مسئول کے قلم سے

شہدائے قندوز

قندوز میں ایک دینی مدرسے میں حفاظ کرام کی دستار بندی کی تقریب پر امریکی اور اُن کی مزدور اَفغان فوج کے حملے میں ایک سو سے زائد افراد خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوگئے، شہید ہونے والوں میں اکثریت اُن بچوں کی تھی جن کی دستار بندی کے لیے اس عظیم الشان تقریب کا انعقاد کیا گیا تھا، لیکن ان کی دستار بندی شاید اس زمین پر نہیں، جنت کے بالاخانوں میں مقدر تھی۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون!**

امریکی استعمار کے افغانستان میں آنے کے بعد اس کی درندگی و بربریت کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ ایسے سینکڑوں واقعات افغانستان کے بہادر مسلمان اپنے سینے پر جھیل چکے ہیں اور مستقبل قریب میں بھی ان واقعات کی روک تھام کا کوئی سنجیدہ امکان نہیں ہے۔

یورپ بھر کے چور، اُچکے، لوفر اور ڈاکو جب امریکہ پہنچے تو انہوں نے اس زمین کے اصل باشندوں اور قدیمی مالکوں یعنی سرخ ہندیوں کے تقریبا ڈیڑھ کروڑ افراد کو قناعت پسند، اور ترقی بیزار ہونے کے جرم میں قتل کر کے ان کی سرزمین پر قبضہ کر لیا تھا۔ مقامی کل آبادی کا صفایا کر دیا گیا اور ترقی وخوشحالی کا پرچم پورے امریکہ پر لہرا دیا گیا، وہی امریکہ جو امن اور انصاف کا ملک ہے، اسی امریکہ کے باسی ایک بار پھر ایک دور دراز کے غیر ترقی یافتہ ملک کے باشندوں کی فلاکت و بدحالی پر ترس کھا کر اسے ترقی یافتہ وخوشحال بنانے کے مشن پر نکلے ہیں، وہ اپنا فرض پورا کرنا چاہتے ہیں، وہ یہاں ترقی وخوشحالی لانا چاہتے ہیں، اگر مقامی لوگ جہالت و ذہنی پسماندگی کی وجہ سے ترقی کو پسند نہ کریں تو بندوقوں، میزائلوں اور بموں کے زور سے ان کو ترقی یافتہ بنایا جائے گا اور کوئی حرج نہیں کہ اس کوشش میں ان کی پوری نسل ہی جان سے چلی جائے، آخر امریکہ میں بھی تو ایسے ہی ترقی آئی تھی۔

امریکہ ہی کیا، وہ کون سا ملک ہے جہاں یہ ترقی لاکھوں انسانوں کا خون بہا کر نہ آئی ہو، آسٹریلیا کی ستر لاکھ مقامی آبادی بھی تو امریکہ کے سرخ ہندیوں کی طرح ترقی کی خاطر انگریزوں کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر گئی، تب جا کر ان کے ملک کو ترقی نصیب ہوئی۔ اور دور کیوں جایئے، اپنے متحدہ ہندوستان میں بھی تو رحمدل انگریز ترقی کا پھریرا ہی لہراتے ہوئے آئے تھے، یہ اور بات ہے کہ یہاں کے اُس وقت کے ''جاہل ملاؤں'' نے اس ترقی میں انگریزوں کا ہاتھ بٹانے، ان کا دست و بازو بننے، اُن کی ملازمت کرنے اور

اُن سے ترقی کے اُصول سیکھنے کے بجائے اُن کے خلاف علمِ بغاوت بلند کردیا اور انگریز کو یہاں ترقی کا ''مقدس'' مشن مکمل کرنے کے بجائے صرف ریل کی پٹریاں، نہریں اور اپنے جیسے ترقی پسندوں کی ایک پوری پالتو فوج بنا کر ہی بیک بینی دو گوش واپس جانا پڑا، اسی لیے آج تک ہمارا ملک پسماندہ ہے۔ خیر! زیادہ فکر کی بات نہیں، پہلے والے ''جاہل ملا'' اَب نہیں رہے، ان کی موجودہ نسل لیپ ٹاپ ہاتھوں میں پکڑے، بڑی بڑی ڈگریاں بغل میں دبائے، خوبصورت پوز میں سیلفیاں لے رہی ہے، اپنے مستقبل کے بارے میں بہت پرامید ہے اور پرتعیش مدرسوں سے نکلتے ہی انگریزی تعلیمی وتعمیلی اداروں کو جانے اور کوٹ پتلون ٹائی پہن کر ترقی کے میدان میں کودنے کو بالکل تیار بیٹھی ہے۔

اس ترقی کے نفاذ لیے پچھلی دو صدیوں میں دنیا بھر میں کروڑوں لوگوں کو قتل کیا جا چکا ہے، اور اب جب اس کی رنگینیاں وخوشحالیاں پوری دنیا پر سایہ فگن ہوچکیں، پوری دنیا اس کو قبول اور اختیار کرچکی، اسے زندگی کا سب سے بڑا مقصد قرار دے چکی، اس میں آگے بڑھنے کے لیے ہر شخص اور ہر ملک ہی سردھڑ کی بازی لگا رہا، اس کی تہہ میں چھپی آہنی سلاخوں، پابندیوں، جکڑ بندیوں اور غلامی کو آزادی کا لقب عطا کرکے سینے سے لگایا جا چکا، اس کی فحاشیوں، عریانیوں، سودخوریوں، گانے بجانے، تصویر سازیوں کو اسلامی کیا جا چکا، اور چند سرپھرے لوگ ابھی تک اس ترقی کو قبول کرنے کو تیار نہیں تو ترقی وخوشحالی کے عالمی ٹھیکیداروں کا غیض وغضب میں آنا اور ان سرپھروں پر وحشیانہ طریقے سے آتش وآہن کی بارش کرنا ذرا بھی اچنبھے کی بات نہیں۔ صاحب! ترقی وخوشحالی ایسے ہی آیا کرتی ہے، انسانیت کو آزادی کی لذتوں سے اسی طرح روشناس کرایا جاتا ہے، اس پر ایمان نہ لانے اور اس کی راہ میں رکاوٹ بننے والے ''مرتدین'' کا اسی طرح قلع قمع کیا جاتا ہے۔

امریکہ نے اپنے غیض وغضب کا اظہار کرنے کے لیے ایک دینی مدرسے کا انتخاب کیا ہے، دینی مدرسے کی بھی حفظ قرآن کی تقریب کو نشانہ بنایا ہے، کیا یہ محض اتفاق ہے؟ نہیں! مدرسہ، اس میں پڑھایا جانے والا قرآن اور پڑھانے والا ملاّ ہی تو انگریز اور اس کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اسی مدرسے، مولوی اور قرآن سے لڑتے لڑتے انگریز کی صدیاں بیت چکی ہیں، یہ قرآن ہی تو ہے جو ''ترقی'' کی راہ میں وہ روڑے اٹکاتا ہے جو کسی غامدی اور عمار کے نکالنے سے نہیں نکلتے......ترقی ''بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست'' کا نعرہ لگاتی ہے اور قرآن **''ولمن خاف مقام ربه جنتان''** کی نوید سناتا ہے......ترقی اسی دنیا کو دائمی وابدی سمجھ کر اسے جنت بنانے کو کہتی ہے اور قرآن **''کل من علیها فان''** کہہ کر اس کی لذتوں کو تلخ کرتا ہے......ترقی انسان کو اس کائنات کی سب سے عظیم ہستی بتاتی ہے اور قرآن **''اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم''** کا اعلان کرکے اس کائنات کی حقیقتاً سب سے عظیم الشان ہستی کا پتہ بتلاتا ہے......ترقی جس

انسان کو ''آزادی'' کے مژدے سناتی ہے قرآن اسی انسان کو **"یعبادی، یعبادی"** کہہ کر پکارتا اور اسے اس کے ''بندہ'' اور ''غلام'' ہونے کی اطلاع دیتا ہے......ترقی انسان کو کائنات کو مسخر اور تابع کرنے پر ابھارتی ہے اور قرآن اسے **"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"** کی آیت سنا کر اللہ جل شانہ کے سامنے مسخر ''ہونے'' کا حکم سناتا ہے......ترقی تمام انسانوں کے درمیان ''مساوات'' کا نظریہ دیتی اور مسلم و کافر کے درمیان کسی فرق سے انکار کرتی ہے اور قرآن **"افنجعل المسلمین کالمجرمین؟ مالکم کیف تحکمون"** کہہ کر اس کے باطل نظریے کو جھٹلاتا ہے......ترقی مرد و عورت کو ایک سا سمجھتی ہے اور قرآن **"الرجال قوامون علی النساء"** کے نظریے کا قائل ہے......ترقی سرمایے میں اضافے کو انسان کا عظیم ترین مقصد قرار دیتی اور ہر انسان کو اس مقصد کے لیے جان لڑا دینے کا کہتی ہے جبکہ قرآن صدقات، زکوۃ، حج، قربانی، صلہ رحمی، ایثار، تعمیر مساجد وغیرہ کی مدات میں مسلمانوں کو سرمایہ ''ضائع'' کرنے کا حکم دیتا ہے......ترقی سرمایہ کمانے کی خاطر اختیار کی گئی ڈیوٹی کو ہر چیز پر مقدم سمجھتی ہے جبکہ قرآن **"ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا"** کا فرمان جاری کر کے ہر مسلمان کو پانچ وقت کی نماز کا حکم دیتا ہے جس سے انسان کی نیند، اس کا آرام اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی ''ڈیوٹی'' متاثر ہوتی ہے......ترقی ہر مرد و زن کو پوری یکسوئی کے ساتھ سرمایہ کمانے کے فرضِ عین کو ادا کرنے کا کہتی ہے اور قرآن عورتوں کو **"وقرن فی بیوتکن"** کا حکم دے کر انسانوں کی نصف آبادی (عورتوں) کو گھر میں بٹھا دیتا اور باقی نصف کو ان کی دیکھ بھال میں لگا دیتا ہے......ترقی لذتوں، عیاشیوں، خواہشات کی پوری دنیا کو مزین کر کے پیش کرتی ہے اور قرآن ''......ترقی دنیا کے اعتبار سے ترقی یافتہ اقوام کو انسانیت کا آئیڈیل سمجھتی ہے اور قرآن قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون اور قوم لوط جیسی ''ترقی یافتہ'' اقوام کو عبرت کا نشان بنا کر پیش کرتا ہے اور اس پاک ذات کو قیامت تک کے انسانوں کے لیے اسوہ حسنہ بناتا ہے جس نے اور جس کے پیارے صحابہ نے دنیا کے تمام سائنس دانوں سے زیادہ عقل، فہم، ہمت اور فراست رکھنے کے باوجود اپنی ساری زندگی میں کوئی ایک بھی سائنسی ایجاد نہ فرمائی، کوئی گاڑی، ہوائی جہاز، کوئی عالیشان عمارت، کوئی میٹرو بس، کوئی انڈر پاس یا فلائی اوور، کوئی شاندار سڑک، کوئی شاہانہ شہر نہ بنایا، جن کی زندگی میں خرچ کرنا اور لٹانا ہی لٹانا تھا، جمع کرنے کا باب ہی نہ تھا، جن کے لیے بوریے کو چوہرا کر کے بچھایا گیا تو ناراض ہوگئے کہ بوریے کی نرمی تہجد کے لیے اٹھنے میں خلل انداز ہوتی ہے، جن کے ایک صحابی نے ایک قبہ نما عمارت بنوائی تو اسی پر چہرۂ انور پر خفگی کے آثار نمودار ہوگئے کہ عمارت میں شان و شوکت کا رنگ کیوں جھلکتا ہے، جو اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو یہ سبق دیا کرتے تھے کہ **" ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین"** یعنی ناز و نعمت سے دور رہنا! اللہ کے

بندے ناز و آرام کے پیچھے نہیں لگا کرتے ،جن کی پیاری اور لاڈلی بیٹی، خاتونِ جنت، سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے گھر کے سارے کام کاج خود کیا کرتی تھیں اور نوکر کا مطالبہ کرنے پر انہیں بجائے نوکر کے اللہ کے ذکر کا تحفہ عنایت فرمایا، صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم......ترقی شان وشوکت کے لیے محنت ومشقت کرنے کو انسان کا فرض اولین بتاتی ہے اور قرآن **"یعملون له مایشاء من محاریب و تماثیل"** کی آیت لاکر اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ سنا کر مسلمانوں کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر اللہ نے تمہیں دنیا میں ''سائنسی ترقی'' دینی بھی ہوئی تو اس کے لیے جنات اور فرشتوں کی ڈیوٹی لگائی جائے گی ،تمہیں اپنے رب کی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، ان ذلیل وسفلہ مقاصد کے لیے ساری زندگی خوار ہوتے رہنا ہرگز تمہاری شان کے لائق نہیں......

اس لیے کفار سمجھتے ہیں، اور درست سمجھتے ہیں کہ موجودہ انگریزی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ قرآن ہے......اسی لیے مسلمانوں کا جو زمانہ قرآن کے جتنا قریب ہے اس ترقی سے اتنا ہی دور بلکہ اس سے اتنا ہی پاک ہے......اور مسلمانوں کا جو زمانہ یا علاقہ اس ترقی میں جتنا کامیاب ہے وہ کفر، الحاد، تشکیک، بدکاری، دنیا کی محبت، ساز باجا، شراب، بغض، حسد اور دیگر گندگیوں میں اتنا ہی زیادہ لتھڑا ہوا ہے۔ سو انہوں نے اپنے ہدف کو بالکل صحیح پہچانا ہے اور اس پر بالکل ٹھیک ٹھیک نشانہ لگایا ہے۔افسوس یا شکوہ ان کفار پر نہیں جو قرآن کو اپنا دشمن سمجھتے اور اس پر حملہ کرتے ہیں......افسوس ان مسلمانوں پر ہے جو آج بھی اپنے دشمن کو سمجھنے سے قاصر ہیں...... جو آج بھی انگریز کے دیئے ہوئے تعلیمی نظام کو فرض واجب کی طرح سینے سے چمٹائے بیٹھے ہیں اور اس کے بغیر زندگی گذارنے کا کسی طور حوصلہ نہیں رکھتے......جن کے ہاں آج بھی اپنے بچوں کو پرائمری یا مڈل میٹرک کرانا قرآن پڑھانے کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم اور ضروری ہے...... جن کے ہاں آج بھی اللہ کا قرآن اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پڑھ کر انسان نامکمل اور بے شعور رہتا ہے جبکہ انگریزی زبان کی تعلیم حاصل کر کے وہ مکمل اور باشعور ہوتا ہے......جن کے ہاں نماز دس سال بلکہ پندرہ سال کی عمر میں بھی فرض نہیں ہوتی لیکن انگریزی سیکھنا اڑھائی سال کی عمر میں فرض عین ہو جاتا ہے ......کتنے تعجب کی بات ہے کہ باطل اللہ کے قرآن کو اپنا دشمن سمجھ کر اسے مٹانے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے اور ہم......ہم اللہ کی کتاب کے متبادل اس کے دیئے ہوئے نظام کو اپنی کامیابی کا واحد راستہ سمجھ کر اسے پھیلانے کی محنت میں مصروف ہیں۔اللہ پاک ہماری حالت پر رحم فرمائیں۔آمین بجاہ النبی الکریم

☆......☆......☆......☆

مرتب: مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم

مروجہ مجالس ذکر......اکابر اہل سنت دیو بند کی نظر میں!

عرض مرتب:

برادرانِ اہل السنۃ والجماعۃ! زیر نظر مجموعہ تحاریر کا مقصد ''مروجہ مجالس ذکر'' کے بارے میں اکابر اہل سنت کی آراء اور فتاویٰ کا خلاصہ عوام وخواص اہل سنت کی خدمت میں پیش کرنا ہے، تاکہ بدعات کے اِس منہ زور طوفانی دور میں مجالس ذکر کے حوالے سے اکابر اہل سنت کا حقیقی مسلک ومشرب واضح ہو۔ اور اپنے آپ کو ''سنی دیو بندی'' کہلانے والے بعض لوگ جو اکابر اہل سنت کے طریقے کے خلاف اہل بدعت کے طریقے پر زور وشور سے عمل پیرا ہیں اور اسی غلط طریقے کو اہل سنت کا طریقہ قرار دینے پر بضد ہیں، اُن کے قول وفعل کا غلط اور خلافِ حقیقت ہونا معلوم ہو۔

یاد رہے کہ ہماری یہ تحریر صرف ''مروجہ مجالس ذکر'' کے بارے میں ہے، جن میں آواز ملا کر بہ آواز بلند اجتماعی ذکر کیا جاتا ہے۔ اور اعلان واشتہار (تداعی) جیسی بدعت کے ساتھ ساتھ تعیین وقت وغیرہ کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور اسے مقصود قرار دے کر ''مستحب'' کہا جاتا ہے۔

یہ تحریر نہ تو ''مطلق ذکر'' کے بارے میں ہے، نہ ''ذکر بالجہر'' کے بارے میں اور نہ اُن مجالس (مجامع) ذکر کے بارے میں جن کی تلاش فرشتوں کو رہتی ہے اور وہ انہیں ڈھانپ لیتے ہیں۔

اس لیے کہ نہ تو ہم ذکر اللہ کے مخالف ہیں......نہ ذکر بالجہر کے منکر ہیں......اور نہ مجالس (بمعنی مجامع) ذکر کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہم تو صرف مجالس ذکر کی مروجہ صورت کو ناجائز کہتے ہیں، جس کو مستحب قرار دیتے ہوئے آواز ملا کر ذکر کیا جاتا ہے اور ہر جگہ ہر بیان کے بعد کیا جاتا ہے۔

اِس وضاحت کی ضرورت اِس لیے پیش آئی کہ مروجہ مجالس ذکر میں انتہائی شدت پسندی اور تعصب کا مظاہرہ کرنے والے بعض لوگ ذکر کی مختلف اقسام کو خلط ملط کر کے دَجل سے کام لیتے ہیں۔ صاف ستھری بات اور ذکر کی ہر قسم کو الگ بیان کر کے اس کا حکم واضح کرنے میں چونکہ اُن کے کذب وافتاء کی قلعی کھل جاتی ہے، اِس لیے وہ ایسا کرنے سے قاصر ہیں۔ أعاذنا اللہ من شرورھم.

ہمارا اُن کو چیلنج ہے کہ اگر آپ واقعی سنی حنفی دیو بندی ہیں، تو ذکر کی تمام اقسام پوری تفصیل کے ساتھ الگ الگ بیان کر کے اکابر اہل سنت دیو بند سے صراحتاً ہر ایک قسم کا حکم ثابت کریں۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین. ٭

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

مولانا ہزاروی سے ایک سوال:

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی جو پوری ''دلیری'' سے مجالس ذکر میں ایسے طریقے کو اختیار کیے ہوئے جسے دیگر اکابر کے علاوہ برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے بھی ''بدعت'' قرار دیا ہے۔ اِس کے باوجود مولانا ہزاروی اپنے آپ کو حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا پیروکار اور اُن کے طریقہ کو جاری رکھنے والا باور کراتے ہیں۔**فیا للعجب!**

مولانا ہزاروی کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مختلف اجتماعات میں اپنے بیان کے بعد لاؤڈ اسپیکر پر ہی، بھرے مجمع کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ: ''بیان ہو چکا، اَب ذکر ہوگا، ہمارے سب اکابر اسی طرح ذکر کرتے تھے، اور اس کے قائل تھے۔بعض عناصر اسے بدعت کہتے ہیں، اُن کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔'' وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد بہ آواز بلند ذکر اتے ہیں اور سارا مجمع مل کر آواز ملا کر ذکر کرتا ہے۔ اور اِس صورت کو مولانا ہزاروی ''مستحب'' بھی قرار دیتے ہیں۔

مولانا ہزاروی سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اگر آپ کا طریقہ اہل بدعت کا طریقہ نہیں، بلکہ اکابر اہل سنت دیوبند کا ہی طریقہ ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اس طریقے کو پوری تفصیل کے ساتھ اکابر اہل سنت دیوبند سے ثابت کریں۔ جس میں مذکورہ بالا تمام اُمور کی صراحت ہو۔

اور اگر یہ طریقہ اِس تفصیل اور اِس حکم کے ساتھ اکابر اہل سنت دیوبند سے ثابت نہیں، بلکہ اکابر اہل سنت کی تصریحات اِس کے خلاف ہیں، تو پھر یقیناً وہ اہل بدعت کے طریقہ پر عمل پیرا ہیں۔

ذکر کی اقسام کے باہمی فرق اور ان کے بارے میں اکابر اہل سنت کی آراء کی وضاحت کے لیے ہم پہلے نہایت اختصار سے ''ذکر بالجہر'' کے بارے میں اکابر اہل سنت دیوبند کا موقف نقل کرتے ہیں، (ذکر بالجہر سے متعلق تفصیل حصہ دوم میں آئے گی۔) پھر ''مروجہ اجتماعی مجالس ذکر'' کے بارے میں حوالے نقل کریں گے۔ان شاءاللہ عبدالرحیم چاریاری غفرلہ ۱۳/رجب ۳۹ھ

ذکر بالجہر کے بارے میں اکابر اہل سنت کا مسلک ومشرب

ذکر بالجہر کے بارے میں اکابر اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ:

۱......ذکر بالجہر اپنی شرائط کے ساتھ جائز ہے، لیکن اولیٰ بہر حال ذکر خفی ہے۔

۲......ذکر بالجہر شیخ کامل کی اجازت سے بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت کرنا چاہیے۔

۳......ذکر بالجہر کی اجازت صرف اُس مرید کو دینی چاہیے جسے جہر کی ضرورت ہو۔

۴...... کسی نائم، مصلی وغیرہ کو اس سے تشویش نہ ہو۔

۵...... جہر کو مقصود اور مستحب نہ سمجھا جائے۔

۶...... بلاضرورت شدیدہ جہر مفرط (بہت زیادہ زور سے) نہ ہو۔

چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''راقم کی رائے ناقص میں قول مجوزین کا صحیح اور ان میں سے مفصلین کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ (مگر اس میں شرط یہ ہے کہ کسی نائم یا مصلی کو اذیت نہ ہو، اور جہر مفرط نہ ہو، اور اگر کسی شیخ نے جہرِ مفرط بتلایا ہو، تو علاوہ شرط عدمِ تاذی، جس پر ان کے ایک شرط اس میں یہ بھی ہے کہ جہر کے اسی افراط کو قربتِ مقصودہ نہ سمجھے، بلکہ مبنی بر مصالحِ خاصہ معتبرہ معلومہ عند المشائخ سمجھے)'' [امداد الفتاویٰ: ۱۵۲/۵]

''اور جہر فی نفسہٖ ممنوع نہیں ہے، جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے، مراد اس سے مفرِط ہے، البتہ اگر کسی عارض کی وجہ سے مثل دفعِ خطرات یا دفعِ قساوت و تحصیلِ رقّت وغیرہ، ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخِ محقّق نے تجویز کیا ہو، کسی نائم یا مصلّی کو تشویش نہ ہو، ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے، اُس جہر کو قربت نہ جانتا ہو، بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے، کیونکہ جو مفاسد عللِ نہی کے تھے وہ اس میں نہیں ہیں۔ واللہ اعلم'' [بیان القرآن: ۶۳/۴، الاعراف، پارہ: ۹]

حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کی عبارت کو نقل کرنے کے بعد مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ جہرِ مفرط کے قائل نہیں ہیں۔ اور خود اِس عبارت میں تشریح فرماتے ہیں کہ جہرِ مفرط وہ ہے جس سے کسی سونے والے یا نمازی کو تکلیف اور تشویش ہو اور ایسے جہر کو نہ تو وہ عبادت و قربت سمجھتے ہیں اور نہ بستیوں اور آبادیوں میں ایسے ذکر کی اجازت دیتے ہیں، وہ تو صرف ایسے جہر کی اجازت دیتے ہیں جو معتدل ہو مثلاً یہ کہ بالکل قریب بیٹھنے والے ہی سُن سکیں۔''

[حکم الذکر بالجہر صفحہ ۱۶۱، ۱۶۲]

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ سب ذاکرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سب صاحب سُن لیں:

''چشتیہ میں جو جہر ہے وہ محض اس مصلحت سے ہے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے تاکہ خطرات نہ آویں، یہ غرض خفیف جہر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے، لہٰذا بقاعدہ الضروری یتقدر بقدر الضرورۃ بہت چلّا چلّا کر ذکر کرنا عبث فعل ہوا، اور عبث فعل پسندیدہ نہیں۔'' [ملفوظاتِ اشرفیہ: ۴۵۸، ملفوظ: ۶۵۰]

ایک مقام پر ذکر بالجہر کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جہر مقصود بالذات اور قربت فی نفسہا نہیں، ایسا اعتقاد کرنا بدعت ہے، اور حدیث میں جو وارد ہے **اِنَّکُمْ لَاتَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَاغَائِباً** (ترجمہ: بے شک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے ہو) میرے نزدیک اسی اعتقاد کی نہی پر محمول ہے اور بعض نے جہرِ مفرط کو اس کا محمل بنایا ہے، جس سے دوسرے لوگ متأذی ہوں

مثلاً نائمین (سونے والوں) کو تشویش ہو اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے منع فرمانے کی بھی یہی توجیہات ہیں، ورنہ جہر فی نفسہ جائز ہے،............معلوم ہوا کہ جہر ''مِنْ حَيْثُ هُوَ جَهْرٌ'' (اس حیثیت سے کہ وہ جہر ہے) عبادت نہیں اور اگر مقصود تو ذکر کو سمجھیں اور جہر کو کسی مصلحت سے اختیار کریں جیسے دفعِ خواطر و حصولِ جمعیت وغیرہ تو یہ صورت ممنوع نہیں، بشرطیکہ کوئی اور عارض مانع نہ ہو بہر حال جہرِ مفرط تو مطلقاً ناجائز ہے، جس سے خود کو مشقت ہو یا دوسروں کو، اور جہرِ معتدل میں تفصیل ہے، اگر خود جہر کو بقصد ثواب اختیار کرے تو یہ بھی ناجائز اور بدعت ہے،............جہر میں یہ حکمت سمجھی گئی ہے کہ اس سے وساوس وخطرات کم آتے ہیں، سو یہ فائدہ خفیف جہر سے بھی حاصل ہے۔[شریعت وطریقت:۲۷۱،۲۷۲،۲۷۲]

شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کے اجل خلیفہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''ذکرِ جہر جائز ہے، بزرگوں کے بعض سلسلوں میں بطورِ علاج ذکرِ جہر کی تعلیم ہے، تاہم جہر خود مقصود نہیں، بلکہ آواز ضرورت سے زیادہ بلند نہ کرے۔'' [آپ کے مسائل:۳۷۰/۷]

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''لہٰذا کسی پابندِ شریعت شیخِ کامل نے مرید کے حالات کے پیشِ نظر ذکرِ جہر کے لیے کہا ہو تو اسے جہراً ذکر کرنا جائز ہے، لیکن دو شرطوں کے ساتھ: ایک یہ کہ اس کا یہ ذکرِ جہر کسی شخص کی نیند میں خلل یا کسی اور معقول تکلیف کا موجب نہ ہو، دوسرے یہ کہ جہراً ذکر کو عبادتِ مقصودہ نہ سمجھا جائے بلکہ اسے علاج کے طور پر اختیار کیا جائے۔'' [فتاویٰ عثمانی:۲۹۰/۱]

اس سے معلوم ہوا کہ اکابر دیوبند کے نزدیک:

۱......جہر کو مقصود بالذات یعنی قربتِ مقصودہ سمجھنا درست نہیں، بلکہ بدعت ہے۔

۲...... جہرِ مفرط، جس سے دوسروں کو ایذا پہنچے، اس کی ممانعت ہے۔

۳......جہرِ معتدل کو کسی مصلحت وعلاج کے طور پر اختیار کرنا جائز ہے۔

۴......یہ مصلحت وعلاج کا مقصود عموماً خفیف جہر سے حاصل ہو جاتا ہے۔

۵......جہر خفیف کی حد یہ ہے کہ آواز اپنے کانوں تک آواز پہنچ جائے۔

۶......نیز مریض وغیر مریض سب کے حق میں جہر کو افضل قرار دینا اور جہری ذکر کی مجالس میں ہر کس وناکس کو ترغیب ودعوت دینا، اور سب کے حق میں اس کو افضل ومستحب قرار دینا درست نہیں ہے۔

مروجہ مجالس ذکر کے بارے میں اکابر اہل سنت کا مسلک ومشرب

قارئین ''ذکر بالجہر'' کے بارے اکابر اہل سنت دیوبند کا موقف جید اکابر کی تحریرات سے ٹھوس،

واضح اور غیر مبہم حوالہ جات کے ساتھ مختصراً جان چکے ہیں۔(اس کی تفصیلی بحث حصہ دوم میں آئے گی۔ان شاء اللہ) اَب ہم زیرِ نظر رسالہ کے (حصہ اول کے)اصل مقصود کی طرف آتے ہیں۔

اجتماعی ذکر کی مروجہ مجالس جن صفات کے ساتھ منعقد کی جاتی ہیں،ان میں سے چند یہ ہیں:

۱......مجلس ذکر کا باقاعدہ اعلان وتشہیر کی جاتی ہے جو''تداعی''(دعوت دینا) ہے۔

۲......بہت سے مقامات پر جگہ اور وقت کی تعیین بھی ہے،مثلاً ہر بدھ یا ہر اتوار وغیرہ۔

۳......ان مجالس ذکر کو مقصود اور مستحب سمجھا جاتا ہے۔

۴......بہ آواز بلند ذکر کیا اور کروایا جاتا ہے۔اور اِس میں جہر مفرط ہوتا ہے۔

۵......یا تو سب ہی ذاکرین آواز ملا کر ذکر کرتے ہیں۔

۶......یا پھر ایک شخص ذکر کرانے والا ہوتا ہے،باقی آواز ملا کر ذکر کرنے والے۔

۷......اپنی خانقاہ وغیرہ سے ہٹ کر عوامی اجتماعات میں بھی اسی طرح ذکر کروایا جاتا ہے۔

۸......مریدین اور غیر مریدین سب کو اسی طرح جہراً اجتماعی ذکر کرایا جاتا ہے۔

حالانکہ اکابر اہل سنت دیوبند کے نزدیک اِن صفات کے ساتھ ذکر کرنا یا کرانا درست اور جائز نہیں بلکہ بدعت اور گمراہی ہے۔ مذکورہ صفات میں سے کوئی ایک بھی پائی جائے تو اکابر اہل سنت اس سے منع کرتے ہیں،ظاہر ہے جہاں اکثر صفات پائی جائیں گی،وہاں ممانعت بھی بدرجہ اَولیٰ ہوگی۔

ذکر کی اجتماعی مجالس کی مروجہ صورت کی وضاحت کے بعد ہم اکابر اہل سنت کے حوالے نقل کرتے ہیں۔جن سے اِس بارے میں اکابر اہل سنت دیوبند کا مسلک ومشرب بالکل واضح ہے۔

(۱)......قطب الارشاد،فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اگرچہ ذکر مطلقاً جائز ہے مگر جس موقعے پر کوئی طرزِ خاص قرونِ ثلاثہ میں پایا گیا ہے اس کو دوسری طرح بدلنا بدعت ہے......بہرحال ذکر اس طرح کرنا بدعت ہے۔''[تذکرۃ الرشید:۱/۱۷۰،ملخصاً]

(۲)......شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے شیخ ومربی مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذکر اللہ تعالیٰ اسی وقت مقبول ہے کہ حسبِ قاعدہ شرع کے ہو،نہ بطور بدعت ومعصیت کے۔پس جو ذکر مرکب بدعت ومعصیت سے ہوگا،اس کی شرکت بھی ممنوع ہووے گی۔

''چنانچہ پہلے بھی جواب اس سفسطہ(مغالطہ) کا ہوچکا ہے،کہ منع کرنا بوجہ بدعت کے ہے،نہ بوجہ ذکر کے۔''[براہینِ قاطعہ:۱۱۳]

''پس حاصل یہ ہوا کہ نفسِ ذکر مستحب اور قیود اس کی ممنوع،اور مجموعہ مقیَّد بھی ممنوع۔''

[براہینِ قاطعہ:۱۵۴]

’’مطلق میں کسی فرد کو خاص کرنا بدعت ہے، خواہ ذکر اللہ تعالیٰ میں واقع ہو، خواہ ذکرِ رسول ﷺ میں اور اگر اپنے اطلاق پر رہے تو جائز۔‘‘ [براہینِ قاطعہ: ۱۹۶/۱۹۵]

(۳)......حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اجتماع کے ساتھ ذکر اگر بلا التزام و بلا اعلان ہو مضائقہ نہیں اور بجز حافظ صاحب کے اور کوئی تیسرا بھی نہ ہو۔‘‘ [تربیت السالک: ۹۲۵/۲] (یعنی ایک دو فرد ہوں، اور اعلان بھی نہ ہو اور التزام بھی)

’’الجواب......آئندہ اندیشہ ضرور ہے۔ بطور خود جو چاہیں ذکر و شغل کریں یہ بھی ممکن ہے۔ اہتمام اجتماع کا بند کرنا چاہیے۔‘‘ [تربیت السالک: ۸۱۷/۲]

’’سوال: سال کے اکثر حصوں میں بزرگوں کی ارواح کے ایصالِ ثواب کے لئے لوگوں کو جمع کر کے بلا کسی خاص انتظام و اوقاتِ متعینہ کے قرآن شریف پڑھا جاوے تو جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اپنے دوست و احباب کو شمولیت کے لئے کہنا کیسا ہے؟

الجواب: یہ تداعی ہے غیر مقصود کے لیے جو بدعت اور مکروہ ہے۔‘‘ [امداد الفتاویٰ ۵۳۹/۱]

قارئین غور فرمائیں کہ قرآن کی تلاوت بھی ’’ذکر‘‘ میں داخل ہے، اور نوافل کے علاوہ ہے، مگر اس کے لیے تداعی کو بدعت و مکروہ قرار دیا جا رہا ہے۔ حضرت تھانویؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

’’تمام بدعات اسی طرح جاری ہوگئی ہیں، لہٰذا یہ رسم واجب الترک ہے، جس کو پڑھنا ہو، بطورِ خود پڑھے، جمع ہو کر پڑھنا، یقیناً ذریعۂ مفاسد ہے۔‘‘ [امداد الاحکام: ۱۹۶/۱]

(۴)......شیخ العرب و العجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

’’اگر کوئی صورت جمع کی نکالی جائے تو یہ کہنا ممکن ہے کہ کوئی چیز ہر دو صاحبوں (یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما) نے اس جماعت میں ایسی مشاہدہ کی جو کہ زمانۂ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط و تفریط کا شائبہ تھا، اس بنا پر اس کو منع کیا، نہ کہ نفسِ اجتماع بالذکر اور اس کی مباح کیفیات کو، خط کشیدہ عبارات پر تینوں روایتوں میں غور فرمایئے۔

اس روایت میں قراءتِ قرآن پر بھی تو نکیر ہے، پھر کیا اس میں مطلقاً ممانعت جاری ہو سکتی ہے؟ اور اگر ایسا کیا جائے تو کیا آیاتِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ کا خلاف لازم نہیں آئے گا؟ اگر اس میں کوئی تخصیص ایسی کی جائے جو کہ محط انکار ہو سکتی تو حلقِ ذکر میں کسی خاص کیفیت منکرہ پر یہ ممانعت محمول ہوگی۔ واللہ اعلم۔ ۲۲/ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ‘‘ [مکتوبات: ۶۴/۲]

مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس مکتوب پر نوٹ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

’’ذکر وغیرہ مستحب عبادات کے لیے اجتماع اور تداعی کو فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے، اس لیے اجتماعی مجالسِ ذکر کو سنت یا مستحب نہیں کہا جا سکتا۔

صوفیاءِ کرام کے ہاں اگر تعلیم کے لیے اجتماعی ذکر ہو تو تعلیم اور علاج کی حد تک اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

احادیث میں اجتماعی ذکر کے جو واقعات مذکور ہیں وہاں اجتماع کا اہتمام اور تداعی کا التزام نہ تھا، بلکہ صرف نفسِ اجتماع اور اس کی مباح کیفیات پائی جاتی تھیں۔

جیسا کہ حضرتِ اقدس مدنی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، التزام واہتمام اور دیگر مفاسد، قیوداتِ زائدہ نہ تھیں اس لیے ان کو بنیاد بنا کر مروّجہ مجالسِ ذکر کو مستحب ومسنون قرار دینا صحیح نہیں ہے۔‘‘

[معارفِ مدنی:۴۴۹]

مولانا مفتی عبدالواحد مدظلہم حضرت مدنی رحمہ اللہ کی مذکورہ تحریر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’حضرت مولانا مدنی نوراللہ مرقدہ کی یہ تحریر ہمارے ذکر کردہ مضمون کے موافق ہے اور اس کی تائید کرتی ہے، معارضہ کی ضرورت ہی نہیں، اس لیے ہم نے جمع (بین الاحادیث) کی صورت کو لیا ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دونوں ہی نے اس جماعت میں جو بات مشاہدہ کی جو کہ زمانۂ سعادت میں نہیں پائی گئی اور اس میں افراط وتفریط کا شائبہ بھی تھا وہ اجتماعی ذکر کرنے کا التزام تھا۔ یہی بات محطِّ انکار ہے اور یہی وہ خاص کیفیتِ مُنکَرہ ہے جس پر ممانعت محمول ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ طبرانی میں **فامرھم ان یتفرقوا** (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کو متفرق ہونے کا حکم دیا) اور یہ حکم اس لیے تھا کہ ان کے ذکر میں تفرق ہو جائے، ورنہ مسجد میں ہوتے ہوئے ان کے تفرقِ ابدان سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا بلکہ مجلس قائم رہتی ہے۔ علاوہ ازیں ہم ممانعت کو مطلق بھی نہیں لیتے اور وہ مجالسِ ذکر جو تداعی کے بغیر ہوں اور جن میں اجتماعی ذکر کا التزام نہ کیا گیا ہو، ان مجالسِ ذکر کو جائز سمجھتے ہیں اور صرف ان مجالسِ ذکر کی تخصیص کرتے ہیں جن کے لئے تداعی کی گئی ہو یا جن میں اجتماعی ذکر کا التزام کیا گیا ہو کہ یہ محطِ انکار ہو سکتی ہیں۔‘‘ [فقہی مضامین:۱۳۶]

(۵)......مفتی اعظم ہند مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کو خبر دی گئی کہ ایک جماعت بعد مغرب بیٹھتی ہے، اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اتنی مرتبہ اللہ اکبر کہو، اور اتنی مرتبہ سبحان اللہ کہو اور اتنی مرتبہ الحمدللہ کہو۔

اور سب لوگ ایسا ہی کرتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس جماعت میں گئے، اور جب ان کی یہ باتیں سنیں، تو کھڑے ہوئے، اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں، اور اس خدا کی قسم، جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں کہ تم لوگوں نے نہایت تاریک بدعت اختیار کی ہے، یا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے علم میں بڑھ گئے ہو۔

اس روایت سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ ان لوگوں کا یہ فعل باوجودیکہ ذکرِ الٰہی اور تکبیر وتسبیح

وتہلیل ہی تھا، مگر چونکہ اس کی وضع اور ہیئت ایسی مقرر کی گئی تھی جس کا ثبوت شریعتِ مطہرہ سے نہیں تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناجائز اور بدعت تھا۔

اس پر بدعت کا حکم لگانے کی وجہ کیا تھی، صرف یہی کہ ذکر اللہ اگرچہ ہر وقت مطلوب اور محبوب ہے، مگر اس کے لیے یہ اہتمام واجتماع کرنا حدودِ شریعت سے تجاوز کرنا تھا، ہر شخص کو یہ اختیار حاصل ہے، کہ وہ بطورِ خود جس قدر چاہے ذکر اللہ کرے، لیکن یہ اختیار نہیں کہ ایک جدید اور نئی صورت اور ہیئت ایجاد کرے، اور پھر اسے طریقِ شرعی اور موجبِ ثواب اعتقاد کرے۔'' [کفایت المفتی:۱۴۵/۴]

(حلقۂ ذکر کے نام سے منعقد ہونے والی محافل کا حکم)

(ترجمہ سوال) ''ہمارے علاقے میں مختلف مقامات پر متعدد محفلیں قائم ہیں جن کو حلقۂ ذکر کہا جاتا ہے، بعض لوگ ایسی محفلیں ہفتہ میں ایک مرتبہ منعقد کرتے ہیں اور بعض مہینے میں ایک مرتبہ، ان محفلوں میں لوگ جمع ہوکر اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اور تکبیر وتسبیح وتمجید بیان کرتے ہیں، کلمہ طیبہ، استغفار، تحمید کا ورد کرتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں اور درود شریف پڑھتے ہیں، کبھی کبھی ان محفلوں میں مولود شریف اور دیگر اذکار بھی پڑھتے ہیں اور اس سے مقصد یہ ہے کہ ان اذکار کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے قلوب میں محبت والفت پیدا کردے اور نورِ ہدایت سے منور کردے تاکہ آخرت میں ان کی کامیابی کا سبب ہو۔

(ترجمہ جواب) جان لو خدا تم پر رحم فرمائے کہ بھلائی اگر ہے تو صرف رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں ہے اور جس آدمی نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جو ہم تک نبی ﷺ سے نہیں پہنچی تو وہ اس کی ایجاد کی ہوئی بدعت اس پر رد کردی جائے گی، یعنی نامقبول ہے اور ہر بدعت کا موجد یہی سمجھتا ہے کہ اس نے بڑا عمدہ اور مفید کام جاری کیا ہے اس غلط فہمی میں وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک جگہ دیکھا کہ کچھ لوگ جمع ہوکر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیح وتہلیل کرتے ہیں آپ نے کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں ابنِ مسعود ہوں یہ جو کچھ تم کررہے ہو یہ تمہاری ایجاد کی ہوئی بدعت ہے، ہم نے نبی ﷺ کے اصحاب کو کبھی ایسا کرتے ہوئے نہیں دیکھا، پس تم میں سے جو شخص ذکر کرنا چاہے وہ چپکے چپکے اپنے دل میں کرے اور اپنے گھر میں جاکر کرے ''اوکما قال'' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو منع کیا جو نمازِ چاشت کے لیے مسجد میں جمع ہوتے تھے، اور اس کے لئے فرائض کی طرح اہتمام کرتے تھے، آپ نے فرمایا کہ اس طرح اہتمام کرنا اور جمع ہونا بدعت ہے۔

پس یہ حلقہائے ذکر جن کے متعلق دریافت کیا گیا ہے اسی قسم کی بدعات میں سے ہیں، جن کے ایجاد کرنے والے ان کو عبادت سمجھتے ہیں، اور اصلاح کا ذریعہ جانتے ہیں، حالانکہ یہ گناہ اور موجبِ عذاب ہے کیونکہ شریعت میں اس (قسم کے حلقہائے ذکر کے اہتمام وانتظام) کا کوئی قابلِ اعتبار ثبوت نہیں ہے اور گمراہی سے بچنا اور سیدھا راستہ پانے کی توفیق خدائے بزرگ وبرتر ہی کی طرف سے ہوتی

ہے۔" [کفایت المفتی مدلل مکمل، مع عنوانات: ۲/۸۷ تا ۸۰]

سوال میں حلقۂ ذکر کی اور بعض لوگوں کے ہفتہ وار اور بعض کے ماہوار، ان حلقوں کے منعقد کرنے کی، نیز تکبیر، تسبیح، تمجید، کلمہ طیبہ، استغفار، تلاوت اور درود شریف پڑھنے کی وضاحت ہے اور ساتھ ہی اس کا مقصد بھی بتلایا گیا ہے، جس کا خلاصہ دلوں میں اللہ، اس کے رسول اور آخرت کی محبت کا پیدا ہونا اور اصلاح کا حاصل ہونا ہے۔

لیکن حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ کی حدیث سے استدلال فرما کر، ذکر کے ان حلقوں کو بدعت قرار دیا ہے، اور ان کو اصلاح کا ذریعہ جاننے کی تردید فرمائی ہے، اور ان کے گناہ اور عذاب کے موجب ہونے کا حکم لگایا ہے، اور اس طرح ذکر کے عدمِ ثبوت کا حکم لگایا ہے، اور اس طرح ذکر کی مجالس قائم و منعقد کرنے کو گمراہی قرار دیا ہے۔

(۶)......برکۃ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"مسجد میں ذکر بالجہر سے کچھ مضائقہ نہیں۔ بشرطیکہ نمازیوں کی نماز اور سونے والوں کے سونے میں خلل نہ پڑے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس کا ایسا اہتمام نہ کیا جائے جس سے بدعتی صورت پیدا ہو جائے۔"

[مکتوبات: ۲/۴۷۵] (نوٹ: سائل کا سوال انفرادی ذکر بالجہر سے متعلق ہے۔ناقل)

یعنی انفرادی طور پر ذکر بالجہر کی تو اجازت ہے، لیکن اِس انفراد میں بھی ایسا اہتمام نہ ہو کہ بدعتی صورت پیدا ہو جائے۔ مثلاً تداعی کریں یا سب ذاکرین اِس بات کا اہتمام کرنے لگیں کہ فلاں وقت فلاں جگہ جمع ہو کر اپنا اپنا ذکر کیا کریں گے۔ اِس "اہتمام" سے بدعتی صورت پیدا ہو جائے گی۔

"اس ناکارہ کو تو یہ معلوم نہیں کہ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں حلقہ کے ذکر کی کیا صورت ہے۔ لیکن اجتماعی ذکر (اکٹھے بیٹھ کر اپنا اپنا ذکر کرنے [ناقل]) میں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔ ایک جگہ جمع ہو کر لوگ اپنے اپنے معمولات کا ذکر کرتے رہیں۔ یہ کئی نوع سے موجب تاثیر ہے۔ لیکن حلقہ (آواز ملا کر ذکر کرنے [ناقل]) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔ اپنے ذہن میں ہمیشہ اس کی وجہ یہ رہی ہے کہ اس صورت میں ذکر کی طرف توجہ تام کے بجائے عوارض کی طرف توجہ زیادہ ہوتی ہے۔" [مکتوبات: ۲/۴۹۴]

اس مکتوب گرامی میں حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ صاف طور پر لکھ رہے ہیں کہ: حلقہ (آواز ملا کر ذکر کرنے) کے متعلق اپنے اکابر سے کچھ پسندیدگی کے الفاظ سننے میں نہیں آئے۔ اِس وضاحت اور صراحت کے باوجود حضرت رحمہ اللہ کے خلفاء کا مروجہ مجالس ذکر کا اہتمام کرنا اور ان کے لیے تداعی کو مستحب قرار دینا حضرت رحمہ اللہ کی تعلیمات سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے محتاج بیان نہیں۔

اجتماعی ذکر بالجہر سے متعلق مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ کا سوال اور حضرت شیخ الحدیثؒ کا جواب:

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہاں جماعت کے امیر صاحب نے اہتمام ذکر کی تجویز کی ہے اور تقریباً ۲۶/آدمیوں نے اس کے لیے نام پیش کیے ہیں، مغرب کے بعد لوگ ذکر کریں گے۔ان کی تین جماعتیں بنادی گئی ہیں، ۶/روز مرکز میں برابر ذکر ہوا کرے گا۔

اور ساتویں روز اجتماع کا ہے، اس روز اخیر میں سب یکجائی ذکر کریں گے اور اس کی ذمہ داری اِس ناکارہ کے سر ڈالی ہے۔''

جواب حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ:

''دل تو بہت چاہتا ہے کہ یہ سلسلہ کسی طرح جاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شانہ مدد فرمائے۔ اور خدا کرے کہ آپ کے ہی ذریعہ یہ سلسلہ چلے۔ اس کا لحاظ ضروری ہے کہ بدعتی صورت پیدا نہ ہو مثلاً یہ ایک حلقہ میں سب کا ذکر نہ ہو، علیحدہ علیحدہ نشستیں تجویز کریں۔ اِس کو آپ خود ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

ایک نشست یعنی بالکل اجتماعی صورت یہاں (ساتویں روز[ناقل]) بھی نہ ہو، مدرسہ قدیم میں جیسے متفرق لوگ کرتے رہتے ہیں اس میں مضائقہ نہیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

''......بعض لوگ کسی سے بھی بیعت نہیں۔ ان سب کے لیے احقر پریشان ہے کہ کیا کرے بغیر بیعت کے ذکر جہر مناسب ہے یا نہیں؟''

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: ''مناسب نہیں۔''

حضرت مفتی صاحبؒ نے یہ بھی لکھا کہ: ''سوم کلمہ، درود شریف، استغفار میں تو غالباً مضائقہ نہ ہوگا۔''

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا جواب: ''جہر سے نہ ہو۔'' [تربیت السالکین :۱۵۶۔۱۵۷]

غور فرمایئے! کہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کو ایک محدود سطح پر چند مخصوص حضرات ذاکرین کا نگران مقرر کیا گیا۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے دریافت کیا تو انہوں نے سوم کلمہ، استغفار اور درود شریف کو بھی جہراً پڑھنے سے منع فرمادیا۔ جو ذاکرین کسی سے بیعت نہیں تھے۔ ان کو جہر کرانے کو بھی نامناسب لکھا۔ اور جو باقاعدہ کسی کے مرید تھے، اور ذکر بالجہر کی اجازت حاصل تھی، اُن کے بارے میں یہ شرط رکھی کہ اجتماعی طور پر نہ کریں، بلکہ انفرادی طور پر ہر ایک اپنا اپنا ذکر کرتا رہے۔

نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کی اپنی مجلس میں بھی 'اجتماعیت' نہیں ہوتی تھی، تمام شرکاء اپنے اپنے معمولات کرتے تھے۔ اگر کسی نے حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ سے کوئی بات کرنی ہوتی تھی تو وہ بات کرتا رہتا تھا۔ باقی لوگ اپنے اپنے معمولات میں مشغول رہتے تھے۔ اور آتے جاتے رہتے تھے۔

'اجتماعی ذکر' کی کوئی ترتیب نہیں تھی۔ [دیکھیے تحفظ عقائد اہل سنت: ۸۲۹، جدید]

(۷)......فقیہ وقت حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین وحاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض دوستوں کا خیال ہے کہ صبح اور عشاء کی اذان اور فرضوں کے درمیان مسجد میں ایک طرف چادر بچھا کر گٹھلیوں پر درود شریف اجتماعی شکل میں پڑھ لیا جائے، جو لوگ درود شریف نہیں پڑھتے، وہ بھی اس طرح پڑھنے لگ جائیں گے، اور اجتماعی عبادت کا زیادہ ثواب بھی حاصل ہو جائے گا۔ مگر ساتھ ہی علماء کرام سے اس اجتماعی شکل کے متعلق استفتاء بھی مطلوب ہے، کہ اس طرح کرنے سے خدانخواستہ خلافِ سنت کوئی بات تو نہیں بن جاتی۔ نیز انفرادی شکل میں پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا، یا اس خاص صورت کے اجتماعی انداز کے ساتھ زیادہ بہتر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر کبھی کبھی ایسا ہو تو جائز ہے، گو اس میں بھی لوگوں کے ذکر وفکر اور عشاء کی سنت غیر مؤکدہ غائب ہوں گی، لیکن کچھ روز بعد یہ لازمی چیز بن کر بدعت ہو جائے گی، ممکن ہے کسی جگہ ہو بھی، وہ میرے علم میں نہیں، انفرادی شکل میں ہی افضل ہے، جہاں اجتماعی صورت مناسب تھی، حضور ﷺ نے خود بتادی ہے۔ ہم کو اس پر زیادتی کرنے کا حق نہیں ہے، اور عمل کے درجہ میں حضور ﷺ پر اعتراض کا حق نہیں، بلکہ گناہ ہے، کہ حضور ﷺ کو یہ بھی لازم کرنا چاہیے تھا، یا مثلاً سنت کرنا چاہیے تھا۔ فقط، جمیل احمد تھانوی، مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن۔ لاہور [تحقیقی نظر: ۲۴۸]

(۸)......شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ کے خلیفہ، مفتی دیوبند مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اصل یہ ہے کہ ذکر اللہ خواہ انفراداً ہو، خواہ اجتماعاً بالاجماع امرِ مستحسن ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، نصوصِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، البتہ عوارض کی وجہ سے بعض اوقات ممانعت ہو جاتی ہے، مثلاً کسی خاص ہیئت، وضع وتاریخ وغیرہ کا ثبوت شرعی نہیں ہے، ان کا التزام کرنا، تارک پر ملامت سب وشتم کرنا یا ریاء کا پایا جانا یا جہرِ مفرط کا ہونا، جس سے نائم، مصلی، قاری وغیرہ کو تشویش ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ممانعت ان عوارض پر ہی محمول ہے، بحر واقعات وغیرہ کا محمل بھی یہ ہی ہے، بسا اوقات ایک مباح بلکہ مندوب شیئ اصرار والتزام سے مکروہ ہو جاتی ہے۔''

[فتاویٰ محمودیہ، مبوب: ۴/۴۳۹؛ ۴۴۰]

''درود شریف کی ترغیب وتاکید قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے، یہ بڑی خیر وبرکت اور سعادت کی چیز ہے، ہر مسلمان کو کثرت سے اس کا ورد رکھنا چاہئے، مگر اس کے لئے کوئی نئی صورت ایجاد نہیں کرنی چاہئے، بلکہ قرونِ مشہود لہا بالخیر میں اس کا جو طریقہ تھا وہی اختیار کرنا چاہئے، ہر شخص تنہا اپنی اپنی جگہ پوری توجہ اور یکسوئی سے قلب کو حاضر کر کے اس تصور کے ساتھ پڑھا کرے کہ میری طرف سے یہ

ہدیہ بذریعہ ملائکہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا جاتا ہے، اور سرورِ عالم ﷺ اس سے مسرور ہوتے ہیں اور جواب ارشاد فرماتے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہٗ بھی خوش ہوکر ایک درود کے بدلہ میں دس دس رحمتیں مجھ پر نازل فرماتے ہیں، سوال میں جو صورت درج ہے اس کا ثبوت ادلۂ شرعیہ سے نہیں ہے۔'' [فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۱/۴]

''**سوال**: بستی کے اندر ایک مسجد ہے اور اس میں کچھ آدمی مل کر ذکر بالجہر کرتے ہیں، ذکر یہ ہے کہ پیر صاحب نے بتا رکھا ہے، سُبْحَانَ اللّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وغیرہ، اور اس وقت کرتے ہیں جب عشاء کی نماز کے بعد نمازی نماز سے فارغ ہوکر چلے جاتے ہیں، عشاء کی نماز سے تقریباً ۴۰ / یا ۴۵ / منٹ کے بعد حلقہ والوں نے بآواز بلند ذکر شروع کردیا، تو اب آپ برائے مہربانی یہ تحریر کردیجئے کہ اگر کوئی نمازی پھر آجائے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ ایسے مل کر حلقہ کرنا یعنی ذکر بآوازِ بلند کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً! فی نفسہٖ ذکر اللہ بہت مبارک ہے، قرآن کریم اور حدیث شریف میں اس کی کثرت سے ترغیب آئی ہے جو کلمات سوال میں مذکور ہیں ان کی بڑی فضیلت وارد ہے، ان کو آہستہ اور جہر سے پڑھنا ہر طرح ٹھیک ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ ان کو آہستہ پڑھا جائے، اور انفرادی طور پر پڑھا جائے، حلقہ کی صورت سے آواز ملا کر پڑھنے سے پرہیز کیا جائے، بسا اوقات اس میں تان کی صورت پیدا ہوجاتی ہے، اپنا اپنا الگ پڑھیں، اگر ایسے وقت کوئی نماز کے لئے آئے اور وہیں پڑھنا چاہے تو اس کو موقع دیا جائے، تاکہ اس کی نماز میں خلل نہ آئے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہٗ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/۹۲ھ۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۲/۹۲ھ'' [فتاویٰ محمودیہ: ۴۴۲/۴]

فائدہ: اس فتویٰ میں درود شریف کو آہستہ اور انفرادی طور پر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور حلقہ کی صورت میں آواز ملا کر پڑھنے سے پرہیز کرنے کا واضح طور پر حکم فرمایا گیا ہے، اور پیر صاحب کے بتلائے ہوئے ذکر کو بھی بصورتِ اجتماع پڑھنے سے پرہیز کرنے کا حکم لگایا گیا ہے۔

''درود شریف سراً و جہراً دونوں طرح درست و ثواب، باعثِ ترقیِ درجات اور موجبِ قرب ہے، جمعہ کے روز خصوصیت سے اس کی تاکید ہے، لیکن اجتماعی حیثیت سے جہراً پڑھنا حدیث و فقہ سے ثابت نہیں، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانچوں وقت مسجد میں جمع ہوتے تھے، اوقاتِ نماز کے علاوہ بھی بکثرت حضر و سفر میں جمع ہونے کا موقع ملتا تھا، مگر کہیں ثابت نہیں کہ اجتماعاً جہراً پڑھنے کا معمول رہا ہو۔

انفراداً بھی جہراً پڑھنے میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی کو تشویش نہ ہو، مثلاً وہاں کوئی نماز میں مشغول نہ ہو، یا نائم نہ ہو؛ نیز جہراً پڑھنے سے دوسری کوئی غرض مطلوب نہ ہو۔'' [ایضاً: ۱۲۸/۳]

مفتی محمود حسن صاحب جو مفتی دار العلوم دیوبند اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے تربیت یافتہ مفتی وفقیہ ہیں وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مسجد میں پانچوں وقت اور سفر وحضر میں جمع ہونے کے باوجود کہیں بھی اجتماعاً وجہراً پڑھنے کے ثبوت کی نفی فرمارہے ہیں، اور حدیث وفقہ سے بھی اس کے عدمِ ثبوت کا حکم لگارہے ہیں، اور درود شریف ذکر کا ایک فرد ہے۔

سوال: ہر جمعرات کو پابندی سے بعد نمازِ عشاء محفلِ درود شریف اعلان کر کے منعقد کرنا اور بغیر کسی جبر کے دو ایک حضرات بخوشی اپنی طرف سے شیرینی تقسیم کر دیں، تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ سب کیسا ہے؟ اگر مناسب ہو تو کوئی اور بہتر طریقہ عمل درود شریف کا تحریر فرمائیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً: یہ دن کی پابندی ہر جمعرات، وقت کی پابندی بعد نمازِ عشاء، تداعی (اعلان) کے ساتھ، محفل منعقد کرنا سلفِ صالحین، صحابہ، تابعین، محدثین، فقہا سے منقول نہیں ہے، اپنی خوشی سے اگر کوئی صاحب شرینی تقسیم کر دیں گے تو اس سے جبریہ شیرینی کی قباحت تو ختم ہو جائے گی، مگر دوسرے قبائح پھر بھی موجود ہیں۔

درود شریف کے فضائل احادیث سے خوب ثابت ہیں، جمعہ اور شبِ جمعہ میں کثرت سے درود شریف پڑھنے کی ترغیب بھی ثابت ہے؛ مگر اس کے لیے یہ محفلیں منعقد کرنا ثابت نہیں۔

جو شخص تنہاء مسجد میں یا مکان میں جس قدر توفیق ہو، درود شریف دل لگا کر اخلاص کے ساتھ یکسوئی کے ساتھ پڑھا کرے، یہ عین سعادت ہے۔

شیرینی جب دل چاہے، جس قدر چاہے، بازار سے خرید کر کھالیا کرے، غرباء اور دوستوں کو بھی جس قدر چاہے، کھلایا کرے۔ فقط واللہ اعلم [فتاویٰ محمودیہ: ۱۲۱/۳، باب البدعات والرسوم]

(۹)......مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث وقرآن میں مذکور اور صحابہ وتابعین کا معمول ہے، نہ اس کے لئے کوئی وقت مقرر ہے، نہ تعداد، جتنا کسی سے ہوسکے اختیار کرے اور سعادتِ دارین حاصل کرے، کلام صرف اس مروّجہ اجتماعی صورت میں ہے۔'' [جواہر الفقہ: ۲۱۴/۱]

''ارشادِ قرآنی **وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدَاكُمْ** سے ایک اور بھی اصولی مسئلہ نکل آیا، کہ ذکرُ اللہ اور عبادت میں آدمی خود مختار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو جس طرح چاہے یاد کرے، اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے، بلکہ ذکر اللہ اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں، اُن کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے، اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، اور اس میں کمی بیشی یا مقدم مؤخر کرنا خواہ اس میں ذکر اللہ کی کچھ زیادتی بھی ہو وہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، نفلی عبادات اور صدقہ وخیرات وغیرہا میں جو لوگ بلا دلیلِ شرعی اپنی طرف سے کچھ خصوصیات اور اضافے کر لیتے ہیں، اور ان کی پابندی کو ضروری سمجھ لیتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے

رسول ﷺ نے اس کو ضروری قرار نہیں دیا اور ان افعال کے نہ کرنے والوں کو خطاوار سمجھتے ہیں، اس آیت نے ان کی غلطی کو واضح کر دیا کہ وہ اہلِ جاہلیت کی سی عبادت ہے کہ اپنی رائے وقیاس سے عبادت کی صورتیں گھڑ رکھی تھیں اور چند رسموں کا نام عبادت رکھ لیا تھا۔'' [معارف القرآن:۱/۴۸۷]

(۱۰)......امام اہل سنت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحت کے ساتھ یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور درود شریف پڑھتے ہیں، چنانچہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ ہم نے یہ کارروائی آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد میں نہیں دیکھی اور میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں، باربار یہ فرماتے رہے، یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعی شکل میں مسجد کے اندر بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا بقول حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ بدعت ہے اور انہوں نے بدعتیوں کی اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا تھا، حضراتِ صحابہ ٔ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تفسیر، فقہ اور علومِ دینیہ میں جو مقام ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔'' [حکم الذکر بالجہر:۱۴۲]

حضرت ملا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی سادہ اور سنت کے مطابق زندگی کا نقشہ بتاتے ہوئے ''**اَقَلُّهَا تَکَلُّفاً**'' (یہ حدیث مشکوۃ ج۱ ص۳۲ میں موجود ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَلَایَتَحَلَّقُوْنَ لِلْاَذْکَارِ وَالصَّلٰوَاتِ بِرَفْعِ الصَّوْتِ فِی الْمَسَاجِدِ وَلَافِیْ بُیُوْتِهِمْ.''[**مرقاۃ**:۱/۲۶۰،باب الاعتصام بالکتاب و السنۃ،الفصل الثالث]

''وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے۔''

اس عبارت میں **للاذکار** کا لفظ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے یعنی اذکار کی خاطر وہ حلقے نہ باندھتے تھے ان کے حلقے تعلیمِ دین اور تعلیمِ ذکر کے لیے تو ہوتے تھے لیکن محض ذکر کی خاطر نہ تو گھروں میں وہ حلقے باندھتے تھے اور نہ مسجدوں میں۔

اب غور کرنا مؤلف مذکور کا کام ہے کہ حضراتِ صحابہ ٔ کرام رضی اللہ عنہم ذکر بالجہر کے لیے حلقے باندھتے تھے؟ یا وہ اس کارروائی کے خلاف تھے؟ حضراتِ صحابہ ٔ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ طریقہ تو ہرگز نہ تھا۔[حکم الذکر بالجہر:۱۸۶]

یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بُری ہو تو وہ بدعت ہوگی بلکہ وہ اہم طاعات اور عبادات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے اُن میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا اُن کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کر دینا یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہوگی اور شریعتِ اسلامی اس کو پسند

نہیں کرے گی۔[راہِ سنت:۱۱۸،باب چہارم]

''جب (شریعت نے) ذکر اللہ وغیرہ عبادات کو کسی خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کا متعین کرنا اور اس تعیین کا التزام کرنا بدعت بھی ہے اور غیر مشروع بھی۔'' [راہِ سنت:۱۲۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر و تہلیل اور تسبیح وتحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے لیکن اس کا یہ خاص طرز وطریقہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمہارا ایجاد کردہ ہے۔لہٰذا یہ بدعت ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی، بدعتِ عظمٰی بھی ہے اور بدعتِ ظلماء بھی اور بقول امام ابنِ دقیقؒ العید رحمہ اللہ اس مخصوص کیفیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود نے فضیلتِ ذکر کی عام دلیلوں کے نیچے داخل نہیں کیا۔[راہِ سنت:۱۲۴]

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول نصِ صریح ہے کہ یہ کیفیت اور احداث ہیئتِ جدیدہ آپ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں نہ تھی۔[راہِ سنت:۱۲۹]

سوال یہ ہے کہ کیا اجتماعی صورت میں،اور وہ بھی مسجد میں جہر سے ذکر کرنا اور اسی ہیئت کے ساتھ جہر سے درود شریف پڑھنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یا وہ اس کو منع کرتے اور اس کو بدعت کہتے ہیں؟ آپ نے صحیح روایات سے یہ معلوم کر لیا کہ وہ ان دونوں کو بدعت اور ان پر عمل کرنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں اور ان کا وجود تک مسجد میں گوارا نہیں کرتے اور فوراً ان کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں۔[راہِ سنت:۱۲۹]

حضراتِ صحابۂ کرام میں درجہ اوّل کے مفسّر (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کلّی اعتماد حاصل ہے وہ اس اجتماعی صورت میں ذکر بالجہر کرنے اور مل کر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں،اور اس فعل کو پسند نہیں کرتے، جب ان کو یہ فعل پسند نہیں تو سابق روایت (جس کو تمہارے لیے عبداللہ بن مسعود پسند نہ کریں، میں بھی اس چیز کو تمہارے لیے پسند نہیں کرتا) کے پیشِ نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہ فعل ہرگز پسند نہیں،اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا کسی اور کی۔ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا۔

بالکل تنہائی میں یا تعلیم کی خاطر ذکر بالجہر کا معاملہ الگ ہے۔[راہِ سنت:۱۳۰]

''آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عمر، حضرت علی اور حضرت عثمان بن ابی العاص وغیرہ جلیل القدر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز جیسی بہترین عبادت اور ذکر جیسی اعلیٰ قربت اور درود شریف جیسی عمدہ طاعت وغیرہ کو مخصوص کیفیت اور خاص ہیئت اور پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا

کرنے سے محض اس لیے منع کیا کہ اس طرز وطریقہ سے یہ کام جناب رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیے اور ان کی ترغیب بھی نہیں دی اور آپ کے عہدِ مبارک میں ایسا نہیں ہوتا تھا، اس لیے یہ امور بدعت ہیں اور معمولی بدعت بھی نہیں، بدعتِ عظمیٰ اور بدعتِ ظلماء ہیں بلکہ ضلالت بھی ہیں اور گمراہی بھی ہیں **اَعَاذَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنۡھَا**'' [راہِ سنت:۱۴۲]

(۱۱)......قائدِ اہل سنت وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مناظر اہل سنت مولانا محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی رحمہ اللہ بھی حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت تھے، میں نے اُن سے بھی مجلس ذکر کے بارے میں دریافت کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ: میں نے خود حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ: حضرت! ہم بریلویوں کے جماعتی ذکرِ جہر کی مخالفت کرتے ہیں، لیکن حضرت خود بھی مجلس ذکر کرتے ہیں اور ذکر جہر کراتے ہیں۔تو حضرت (لاہوری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''ہم تعلیم کے لیے ذکر جہر کراتے ہیں۔''...... (اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ بھی اِس صورت کو درست نہیں سمجھتے تھے۔ورنہ سوال نہ کرتے [ناقل])

......حضرت (لاہوریؒ) نے ایک مرتبہ مجلس ذکر موقوف کر دی تھی۔...... مجلس ذکر کو موقوف کرنے کا ارادہ محض اس لیے ظاہر فرمایا تھا کہ لوگ اس کو فرض یا واجب نہ سمجھنے لگ جائیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت لاہوریؒ کی مجلس ذکر اور مروجہ مجالس ذکر میں (بھی) بڑا فرق ہے۔اب تو مجالس ذکر خوب بلند آواز سے بلکہ لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعہ کی جاتی ہیں۔......مجلس ذکر کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں اور لوگوں کو بلا بلا کر مجلس ذکر میں شامل کیا جاتا ہے۔حالانکہ کسی مستحب عبادت کے لیے (تداعی) لوگوں کو بلانا جائز نہیں۔

......مفاسد کی وجہ سے امر مستحب بھی بدعت قرار دیا جاتا ہے اور اب تو مجلس ذکر گویا کہ پیری مریدی کے لیے لازم سمجھی جاتی ہے۔چنانچہ رسائل میں شائع ہوتا ہے کہ فلاں حضرت صاحب نے فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائی اور فلاں فلاں جگہ مجلس ذکر کرائیں گے۔

اکابر اہل سنت دیوبند قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین مدنی قدس اللہ اسرار ہم نے کبھی اجتماعی طور پر ذکر جہر کی مجالس منعقد نہیں کیں اور نہ ہی ان کے خلفاء نے ایسی (مجالس منعقد) کرائی ہیں۔'' [تحفظ عقائد اہل سنت:۱۲۷]

''بہر حال مروجہ مجالسِ ذکر بوجہ تداعی عام وغیرہ کے بدعت ہیں، ان کو ترک کرنا چاہیے۔'' [ایضاً]

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفۂ اجل اور دار العلوم دیوبند کے فیض یافتہ اور اکابرِ دیوبند کے معمولات بالخصوص اپنے شیخ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے معمولات سے اچھی طرح واقف ہیں، ان کا مجلس ذکر کے لیے تداعی کو ناجائز قرار دینا، حنفیہ کے قواعد اور جمہور مشائخ واکابرِ دیوبند کے فتاویٰ وارشادات کے مطابق ہے، جس میں حضرت لاہوری کی مجلسِ ذکر اور آج کل کی عام مروّجہ مجالسِ ذکر میں فرق کی بھی صراحت ہے۔

(۱۲)......حضرت مولانا سیّد مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''معلوم ہوگیا کہ تہجد، اوابین، اشراق، چاشت، صلوٰۃ التسبیح، سنن مؤکدہ وغیر مؤکدہ اور شبِ معراج ۲۷/رجب کی اجتماعی عبادات بوجہ تداعی کے مکروہ ہیں، مجلس ذکر اور مجلس درود شریف بھی اجتماعی طور پر تداعی کے ساتھ اگر ہوگی، تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا، اس لئے کہ یہ مجلس مستحب اور نفل عبادت میں داخل ہے اور نفل عبادت کے لئے تداعی اور اعلان کا مکروہ ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔......

یہی حکم دعاء طویل وقصیر کا ہے جو علاوہ نماز کے ہو اور اس کے لئے تداعی اور بلاوا ہو، ورنہ نماز کے تابع ہوگی اور جائز ومسنون ہوگی، یا وعظ کے تابع ہو کر جائز ہوگی۔ درس بخاری ختم بخاری ہو، یا ابتداء، چونکہ از قبیل تبلیغ احکام اور مامور بہ کا فرد ہے، اس لئے اس کے لئے تداعی جائز ہے، البتہ ختم قرآن پر محض دعا کے لئے تداعی کو بغیر وعظ وتبلیغ کے مکروہ کہا جائے گا۔[حیاتِ ترمذی:۴۷۴،۴۷۵]

یہ تداعی اور اعلان ہی نفلی عبادت کے لئے اس کے منع کرنے کے لئے کافی ہیں کوئی اور مفسدہ ہو یا نہ ہو، احقر کے نزدیک تو کسی بزرگ کے انتقال پر مدارس میں اجتماعی قرآن خوانی بھی اس ذیل میں آتی ہے، اگر انتقال کے اعلان سے ہو، اور اگر پہلے سے کسی اور وجہ سے جمع ہیں تو پھر بھی بہتر تو یہی ہے کہ علیحدہ علیحدہ ہو کر قرآن کریم کی تلاوت کریں، تاکہ دیکھنے والوں کو اجتماع للقرآءۃ کا شبہ نہ ہو، لیکن اس صورت میں چونکہ اجتماع للقراءۃ نہیں ہے، اس لئے گنجائش معلوم ہوتی ہے، ترغیب کے لیے تو اجتماع ضروری نہیں ہے۔ انفراداً بھی قراءۃ کی جا سکتی ہے اور یہی ہمارے اکابر رحمہم اللہ کا معمول تھا، ترغیب کے جواز سے اجتماع کا جواز لازم نہیں آتا......

اس ذکر ودرود شریف کے پڑھنے میں اگر اجتماع ہوتا ہے، تو اس کا حکم پہلے گذر چکا اور اچھی طرح واضح ہو چکا کہ یہ مکروہ اور بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اجتماعی ذکر کرنے والوں اور درود شریف پڑھنے والوں کو مبتدع فرمایا اور ہیئت جدیدہ کے احداث کو اس کی علت قرار دیا، اس صورت میں یہ اجتماع اور احداث ہیئتِ جدیدہ دونوں موجود ہیں، تو اس کا جواز کیسے ثابت ہو سکتا ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر کی تاکید فرمانے سے اجتماعی ذکر کا ثبوت تو لازم نہیں آتا، انفراداً ذکر اللہ کی کثرت بتلائی جائے تو بھی مقصود حاصل ہے۔

جیسا کہ مظاہر علوم سہارنپور اور خانقاہ تھانہ بھون میں عمل تھا، یہی طرز خانقاہ رائے پور کا رہا ہے، ان

خانقاہوں میں اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی ذکر کی ہمیشہ بکثرت تلقین ہوتی رہی اور اس پر عمل رہا۔

اور مشائخ کے بعض طرق میں جو ذکر بالجہر مروج ہے یا شاذلیہ طریقہ میں اجتماعی ذکر مروج ہے وہ بطور علاج کے ہے وہ سنت نہیں ہے، اس کو سنت سمجھنا بدعت ہے۔

جب اس طریقہ پر ذکر سے پہلے فضائل ذکر کا بیان ہوگا، اس کے بعد اس طریقہ پر ذکر ہوگا، تو لازماً سامعین اس ذکر کو ان فضائل کا مورد اور سنت سمجھیں گے، اور حقیقت یہ ہے کہ اس طریقہ پر ذکر سنت نہیں ہے، بلکہ کسی شیخ کا تجویز کردہ علاج ہے، اس مغالطہ سے بچنا ضروری ہے، اور چونکہ یہ طریقہ ہمارے اکابر مذکورہ کے موافق نہیں اور نہ ہی یہ سنت ہے، اگرچہ بعض سلسلوں میں رواج پذیر ہے، لیکن چونکہ اس میں سنت ہونے کا مغالطہ بھی ہوتا ہے، اور التزام مالا یلزم کا بھی خطرہ ہے، فہمیدہ اور سمجھدار لوگ اگرچہ سنت و لازم نہ سمجھیں، مگر عوام اس کو بھی سنت یا لازم سمجھیں گے، اور جس طرح ضرر لازمی سے بچنا ضروری ہے، متعدی ضرر سے بھی اجتناب ضروری ہے، اس لئے قابل ترک ہے، انفرادی طور پر ذکر اللہ کی خوب تلقین کی جائے اور حسب فرصت اس کی تعلیم دی جانی چاہئے۔'' [حیاتِ ترمذی: ۴۴۱، ۴۴۲]

(۱۳)......مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کے متعلق فرماتے ہیں:

''ایسے اُمور سے اجتناب ضروری ہے، اپنے طور پر ہر شخص جتنا چاہے درود شریف پڑھے، باعث برکت ہے۔'' [احسن الفتاویٰ: ۱/۳۸۰]

''درود شریف کے لیے ان قیود و تخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں، جس کام کے لئے حضورِ اکرم ﷺ نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو، اُس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنالینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے۔'' [احسن الفتاویٰ: ۱/۳۶۵]

مولانا مفتی رشید احمد رحمہ اللہ ''مجالسِ ذکر'' کے نام سے اپنے مفصل و مدلل رسالے میں فرماتے ہیں:

''بدون تداعی اجتماعی ذکر جائز لغیرہ ہے......

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے نے بہیئتِ اجتماعیہ جہراً ذکر کرنے والوں کو مبتدعین قرار دے کر ڈانٹ کر مسجد سے نکال دیا تھا۔

''مجالسِ ذکر کے مجوِّزین (یعنی جائز قرار دینے والوں) نے اس (روایت) کے تین جوابات دیے ہیں: (۱)......اس اثر کا کتبِ حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ (۲)......یہ جوازِ جہر سے متعلقہ احادیثِ صحیحہ صریحہ کے خلاف ہے۔ (۳)......ان لوگوں نے کوئی بدعت شامل کرلی ہوگی مثلاً اجتماع بالتداعی، اہتمام و التزام، باہم کوئی اور ارتباط، جہرِ مفرط وغیرہا۔

پہلا جواب (یعنی اس روایت کو غیر ثابت قرار دینا۔ناقل) اس لیے صحیح نہیں کہ طبرانی نے متعدد اسانید سے (اور سننِ دارمی نے۔ناقل) اس کی تخریج فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں اکثر فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ''**وَقَدْ صَحَّ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ**

عَنْهُ" سے اس (روایت) کی تصحیح وتوثیق فرمائی ہے۔

دوسرے جواب (یعنی یہ کہ یہ روایت جہر کے جواز سے متعلق صحیح وصریح احادیث کے خلاف ہے۔ ناقل) میں رد بلاسبب ہے، اس لیے تیسرا جواب ہی متعین ہے۔

البدع والحوادث:

(۱) جہر کو مستحب لعینہٖ سمجھنا۔...... (۲) جہر کو بدون عوارض ذکرِ خفی سے افضل سمجھنا۔...... (۳) مجالسِ ذکر کو جائزۃٌ لعینہا سمجھنا۔...... (۴) **فَاعْتِقَادُ کَوْنِهَا مُسْتَحَبَّةً بِدْعَةٌ بِالْاَوْلٰی.**...... (۵) باہم امام اور مقتدیوں جیسا تعلق رکھنا، یعنی کوئی شخص مقتدیٰ بن کر ذکر کروائے دوسرے اس کی اقتداء کریں۔......

(۶) ذاکرین میں باہم کسی بھی قسم کا ربط۔...... (۷) بذریعۂ تداعی دو تین افراد سے زیادہ کو جمع کرنا، نوافل کی جماعت میں دو تین سے زیادہ کا نفسِ اجتماع ہی بحکم تداعی ہے، مگر حلقِ ذکر میں یہ صورت بحکمِ تداعی نہیں۔

قولِ معاذ وعبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

(۸) فرائض اور واجبات کی طرح التزام، یا اس کے تارک کو ملامت کرنا یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کرنا یا اس کو طریقِ افضل کا تارک سمجھنا۔...... (۹) دوسری تقییدات وتخصیصات۔...... (۱۰) یہ اعتقاد کہ مجلسِ ذکر بدون ترکِ معاصی اصلاحِ قلب ونجات کے لئے کافی ہے۔...... (۱۱) حاجاتِ دنیویہ کے لیے اس اعتقاد سے مجالسِ ذکر منعقد کرنا کہ ارتکابِ کبائر کے باوجود اس سے کام بن جائے گا۔

قولِ معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ **"اجلس بنا نؤمن ساعة"** (صحیح بخاری)

اس قسم کے الفاظ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہیں۔

اس سے ذکر کے لیے تداعی پر استدلال صحیح نہیں، اس لیے کہ اس سے مجلس علم مراد ہے۔

اگر مجلس ذکر تسلیم کرلی جائے، تو دعوۃ الواحد ہے تداعی نہیں۔" [احسن الفتاویٰ: ۲۲۶/۹]

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ کی مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مروجہ ذکر کی مجالس میں آوازِ بلند ذکر کرنے کو اپنی ذات میں مستحب سمجھا جاتا ہے، جبکہ آوازِ بلند ذکر کرنا خاص عوارض کی وجہ سے جائز تھا، مگر ان مجالس میں بغیر عوارض کے عام حالات میں بھی آہستہ ذکر کے مقابلے میں ذکرِ جہری کو افضل سمجھا جاتا ہے اور مروّجہ مجالسِ ذکر کو اپنی ذات میں جائز سمجھا جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر ان مجالس کے مستحب لعینہٖ ہونے کا اعتقاد رکھا جاتا ہے، اور مروّجہ مجالسِ ذکر میں باہم امام اور مقتدیوں کی طرح کا تعلق رکھا جاتا ہے، ایک شخص امام کی طرح مقتدیٰ بن کر ذکر کراتا ہے اور دوسرے اس کی اتباع میں ذکر کرتے ہیں، اور ذاکرین کا آپس میں حلقہ وغیرہ بنا کر کسی نہ کسی طرح کا ربط وتعلق تو ہوتا ہی ہے، نیز لوگوں کو خاص مجلسِ ذکر کی دعوت دی جاتی ہے اور جمع کیا جاتا ہے، اس کے لئے اشتہار دیئے جاتے ہیں، جو کہ تداعی میں

داخل اور ممنوع و مکروہ ہے۔

اور بعض جگہ ان مجالس کا فرائض وواجبات کی طرح التزام کیا جاتا ہے یا اگر کوئی ان مجالس میں شریک نہ ہو تو اس کو ملامت کیا جاتا ہے، یا اس کی طرف غفلت کی نسبت کی جاتی ہے یا پھر کم از کم اس کو ذکر کے افضل طریقہ کے ترک کرنے والا سمجھا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ مروجہ مجالسِ ذکر میں دوسری قیودات وتخصیصات بھی جمع ہوگئی ہیں اور ان مجالسِ ذکر کے متعلق عوام کا یہ اعتقاد ہوگیا ہے کہ گناہوں کو چھوڑے بغیر ہی یہ مجالسِ ذکر اصلاحِ قلب، تزکیۂ نفس اور نجات کے لیے کافی ہیں۔

اسی طرح دنیوی حاجات ومقاصد کے لیے اس عقیدہ کے ساتھ یہ مجالسِ ذکر منعقد کی جاتی یا ان میں شرکت کی جاتی ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کے باوجود ان مجالسِ ذکر سے مقصد برآری ہوجائے گی وغیرہ۔ انتہیٰ

مروّجہ اجتماعی مجالسِ ذکر میں مذکورہ سب یا ان میں سے کسی ایک خرابی کا پایا جانا بھی کافی ہے، کیونکہ مذکورہ اُمور میں سے ہر ایک خرابی مستقل وجہ ہے۔

(۱۴)......استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد الستار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا کسی ہیئتِ خاصہ کی بناء پر تھا، نفسِ اجتماعی ذکر پر نہ تھا، اجتماعی ذکر کی ایک شکل یہ ہے کہ سب ذاکرین قصداً آواز ملا کر ذکر کرنے کا التزام کریں یا ایک کہلوائے اور باقی مجمع اس کے پیچھے اسی کلمہ کو دوہرائے جیسے بچوں کو گنتی یا پہاڑے یاد کرائے جاتے ہیں۔

اجتماعی ذکر کی یہ دونوں صورتیں محلِ کلام ہیں، اور تیسری شکل یہ ہے کہ ذاکرین ایک جگہ مجتمع ہوں اور سب اپنا اپنا ذکر کریں، کسی دوسرے کے ذکر کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوں، وقت ومحل کی وحدت کے اعتبار سے یہ اجتماعی ذکر ہے لیکن نفسِ ذکر کے لحاظ سے انفرادی ہے، یہ درست ہے، پس ممکن ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انکار پہلی دوسری قسم کے بارے میں ہو جس کا آپ نے وہاں مشاہدہ کیا۔'' [خیر الفتاویٰ: ۷۰۹/۲]

اس فتوے پر مولانا مفتی اسحاق، مولانا مفتی عبد اللہ اور مولانا مفتی محمد انور کی تائید بھی درج ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ جن مجالسِ ذکر میں اس طرح ذکر ہو کہ سب ذاکرین قصداً آواز ملا کر ذکر کا التزام کریں، یا ایک کہلوائے اور باقی افراد دہرائیں، یہ دونوں صورتیں مفتی عبد الستار رحمہ اللہ اور جامعہ خیر المدارس کے مفتیانِ کرام کے نزدیک محلِ کلام ہیں۔

اور مروّجہ مجالسِ ذکر میں یہ دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔

(۱۵)......شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ (خلیفۂ اجل شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ) فرماتے ہیں:

''جس عبادت کو شریعت نے انفرادی طور پر مشروع فرمایا ہے، اس کو اجتماعی طور پر کرنا بدعت ہے۔''

[اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم، بعنوان: مساجد میں آ وازِ بلند ذکر کرنا:۱۱۳]

نمازوں کے علاوہ شریعت نے ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ اجتماعی طور پر پڑھنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ ہر شخص کو الگ الگ جو پڑھنا ہو پڑھے، اَب ان اذکار کو اجتماعی طور پر مل کر پڑھنا بدعت ہوگا۔[ایضاً]

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ آج کل مسجدوں میں زور زور سے کلمہ طیبہ پڑھنے اور گا گا کر درود و سلام پڑھنے کا جو بعض لوگوں نے رواج نکالا، یہ بدعت ہے، اور اس سے مساجد کو پاک کرنا لازم ہے۔[۱۱۵]

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے جلیل القدر خلیفہ نے پہلے تو انفرادی و اجتماعی عمل کو اپنے اپنے مقام پر رکھنے کا قاعدہ بیان فرمایا، اور اس کی خلاف ورزی کو بدعت قرار دیا، اور پھر اس قاعدہ سے یہ مسئلہ واضح فرمایا کہ ذکر و تسبیح اور درود شریف وغیرہ کو اجتماعی طور پر پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے۔

(۱۶)......فتاویٰ حقانیہ میں مروّجہ مجالسِ ذکر کے بارے میں ایک مفصّل و مدلّل فتویٰ موجود ہے:

''قوم کے جس عمل پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بدعت کا فتویٰ دے کر ممنوع قرار دیا تھا وہ ان کا بہیتِ اجتماعی خاص مسجد میں جہر سے ذکر کرنا اور درود پڑھنا تھا......ممانعت کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ حضور ﷺ کے زمانے میں اس طرح ذکر کرنا معہود نہ تھا، تو بدعت فی الدین ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا گیا، اسی بناء پر فرما دیا گیا کہ ''مَا اَرَاکُمْ اِلَّا مُبْتَدِعِیْنَ'' [فتاویٰ حقانیہ:۲/۹۷۔۹۸]

''بہر حال تحقیقِ مذکورہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ ذکر بالجہر اگر ذریعۂ اذیت الی الغیر ہو یا وہ کسی ایسے طریقہ سے ہو جو حضور ﷺ سے ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے وہ بدعت کی حد میں داخل ہو جاتا ہو تو ممنوع اور ناجائز ہوگا، چونکہ واقعہ مسئول عنہا میں بھی ذکر بالجہر غیر ثابت شدہ طریقہ سے ہے، اس لیے لامحالہ بدعت کی حد میں داخل ہو کر ممنوع ہوگا، اس عمل کی حالت اس قوم کے عمل کی حالت سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جس پر ابنِ مسعود نے مبتدعین کا حکم لگایا تھا، اس بناء پر یہ بھی اس کی طرح بدعت ہو کر ممنوع قرار پائے گا، سُننِ نبویہ اور علمائے شریعت کی تصریحات سے یہ چیز پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جس عبادت کو شریعت نے مطلق رکھا ہو اس کے لئے اپنی طرف سے مخصوص وقت یا کسی خاص ہیئت یا کیفیت کو اگر معین کر لیا جائے تو اس کی وجہ سے وہ عبادت بدعت ہو جاتی ہے۔'' [ایضاً:۱۰۰]

''اس مسلّمہ اصول کے پیشِ نظر جب ہم واقعہ مسئول عنہا پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی طرف سے بہت سی تخصیصات ایجاد کر کے ملائی گئی ہیں، ایک وقت کی تخصیص، دوسری ہیئت اور تیسری کیفیت کی تخصیص۔ ان تمام تخصیصات کی وجہ سے یہ اجتماع اور ذکر علماء کے پیش کردہ قانون کے بموجب دونوں بدعت قرار پائیں گے۔'' [ایضاً:۱۰۱]

''اس اجتماع کے متعلق جو اِن خلافِ شرع اُمور پر مشتمل ہے، ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ ایک بدعت اور ناجائز فعل ہے ،اس میں شمولیت اعانت علی البدعۃ اور توقیرِ مبتدِع ہے، جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔''[ایضاً صفحہ۱۰۲و۱۰۳]

(۱۷)......استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مذکورہ بالا حوالہ جات سے ذکر بالجہر کا فقہ حنفی سے حکم معلوم ہوا، اب مجالس ذکر کا حکم جانتے ہیں، مجالس ذکر کی تین صورتیں ہیں:

۱۔مجامع ذکر ۲۔ علاجًا اجتماعی ذکر ۳۔تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر بالجہر

[۱]......مجامع ذکر:(ذاکرین کے مجمع میں انفرادی ذکر)

لوگ از خود ذکر اور عبادت کے لیے مساجد اور خانقاہوں میں جمع ہو جائیں جس میں تداعی (دعوت دینا، بلانا اور لوگوں کو جمع کرنا) نہ ہو اور لوگ اپنی اپنی صوابدید پر ذکر کریں، اس میں کوئی شخصیت داعی نہیں ہوتی ،اس کو ''اجتماعی ذکر'' سے نہیں بلکہ ''مجامع ذکر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مجامع اکثر مساجد میں ہوتے ہیں جن کو فرشتے تلاش کرتے ہیں اور ان میں شامل ہوتے ہیں۔

[۲]......علاجاً (یا تعلیماً [ناقل) اجتماعی ذکر:

شیخ اپنے مریدین کے لیے جو ذکر تجویز کرتا ہے اس کی رائے..بالجہر تجویز کرے یا بالسر۔اجتماعی طور پر ذکر کرائے یا انفرادی طور پر ذکر کرائے یہ احداث فی الدین نہیں بلکہ احداث للدین ہے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اسی طرح ان اشغال کو جمعیت خاطر کا ذریعہ سمجھ کر کرے تو درست ہے، عبادتِ مقصودہ سمجھ کر کرے تو بدعت ہے۔ یہی حکم ذکر اللہ میں جہر کرنے کا ہے اگر جہر سے ذکر دفعِ وساوس اور جمعیت خاطر کے حصول کی تدبیر سمجھ کر کرے تو درست ہے خود جہر کو طاعتِ مقصودہ سمجھے تو بدعت ہے۔[مجالس مفتیٔ اعظم:۳۱۵]

[۳]......تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر:

کوئی شیخ اپنے مریدین کو یا کوئی مرید اپنے پیر بھائیوں کو اپنے شیخ کی مجلس میں شرکت کی دعوت دیتا ہے۔آجکل اخبار میں اشتہار یا بیان دیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ مجلس ذکر ہوگی اور باقاعدہ تداعی کی جاتی ہے۔

تینوں صورتوں کا حکم:

تیسری صورت بدعت ہے اور پہلی دونوں صورتیں جائز ہیں۔''[مروجہ بدعات:۲۹]

(۱۸)......حضرت مدنیؒ کے مرید، حضرت پیر خورشیدؒ کے خلیفہ مجاز مولانا سید امین شاہؒ فرماتے ہیں:

''ہمارے سلسلہ عالیہ میں اجتماعی ذکر کی بجائے انفرادی ذکر بتلایا جاتا ہے۔ اِس سلسلہ میں ایک اُصول ملحوظِ خاطر رکھیے کہ: فرض نماز اور اُن نمازوں کے علاوہ جو باجماعت ادا کرنا ثابت ہوں، مثلاً: تراویح، کسوف،

استسقاء۔ اور حج بیت اللہ جیسی اجتماعی فرض عبادت کے علاوہ جو بھی نفل نماز اور اعمال ہیں تمام فقہاء کا اِس پر اجماع ہے کہ وہ گھر پر اور خلوت میں افضل ہیں۔ کیونکہ جس قدر تخلیہ ہوگا، اِخلاص زیادہ ہوگا۔ اخلاص کی برکت سے قبولیت یقیناً ہوگی۔ جیسے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آہستہ تلاوت کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی: أَسۡمَعۡتُ مَنۡ نَاجَیۡتُ. یعنی جس ذات سے میں مناجات کر رہا ہوں اس کو میں نے سنا دیا۔

مثلاً: اگر کوئی بادشاہ کسی کو وقت مقرر کر کے ضروری مشورہ کے لیے اکیلے آنے کا حکم کرے تو وہ معتمد ِ خاص پوری جماعت کے ساتھ حاضر ہو جائے تو شاہِ وقت کی خصوصی ملاقات کی اُس نے ناقدری کی ہے۔ وہ کبھی بھی اِس سے وہ راز نہ کہے گا جس کے بارے تنہائی میں گفتگو کا ارادہ تھا۔

نفلی عبادات کی اَصل قدر یہی ہے کہ بندہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہوں، تیسرا کوئی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سے تنہائی میں ملاقات، یہ عظیم اعزاز ہے۔ اِس لیے ذکر کرتے ہوئے خالق حقیقی سے خلوت میں رابطہ مضبوط کرنا چاہیے۔ اجتماعی مجالس ذکر میں مذکورہ گوہر مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　کراماً کاتبین را ہم خبر نیست''

[شجرہ مبارکہ مع تسبیحات واورادِ ماثورہ: مولانا سید محمد امین شاہ رحمہ اللہ مخدوم پور پہوڑاں ضلع خانیوال: ۶۱]

(۱۹)......استاذ المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ذکر'' اللہ تعالیٰ کی یاد کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، لیکن اب مروجہ مجالس ذکر میں عادتاً ذکر بالجہر (جیسا کہ آج کل مشاہدے میں آتا ہے کہ ایک آدمی کہلواتا ہے، مجمع کہتا چلا جاتا ہے۔) کا التزام کیا جاتا ہے، اور اس کی تداعی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ مزاج شریعت اور روحِ تصوف دونوں کے منافی ہے۔'' [مکتوب بنام مولانا نثار احمد صاحب، مجلّہ صفدر، شمارہ ۷۳، ص: ۳۸]

(۲۰)......حکیم العصر، شیخ الحدیث مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''آج کل تصوف کے نام پر کئی جدتیں اور بدعتیں ہمارے اندر بھی داخل ہونا شروع ہوگئی ہیں۔ جو کہ ہمارے اکابر کے ہاں نہیں تھیں۔ منجملہ ان میں ایک یہ (ہے) کہ آج کل اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات چھپتے ہیں کہ فلاں حضرت، فلاں مقام پر، فلاں وقت تشریف لائیں گے، مجلس ذکر ہوگی، مراقبہ ہوگا، اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی تصویریں چھپتی ہیں، ان کی ویڈیو بنتی ہے۔ جب یہ خرافات ہوں گی تو روحانیت اور دلوں کی صفائی کیسے ہوگی؟'' [لولاک، حکیم العصر نمبر: ۲۲۵]

''حضرت خواجہ خان محمد رحمہ اللہ نے صحیح اُصولوں اور اکابر کی ہدایات کے مطابق خانقاہی نظام کو چلایا۔ اس میں کوئی ایک واقعہ معلوم نہیں کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے نام سے ''مجلس ذکر اور مراقبہ'' کا اشتہار چھپا ہو۔'' [ایضاً] (اگر کسی نے چھپوایا بھی ہو تو بلا اجازت وعلم ہوگا۔ [ناقل])

''ہمارے کچھ اہل تصوف شاگرد ہیں۔اب انہوں نے مدارس کے اجتماعات میں اسپیکر میں اجتماعی ذکر کرانا شروع کردیا ہے۔میں نے کئی مقامات پران کوروکا بھی۔لیکن وہ اس کا زیادہ اثر ہی نہیں لیتے۔'' [ایضا]

''ایک طالب علم نے سوال کہ استاذ جی! ذکر بالجہر کرنا کیسا ہے؟ آج کل جیسے تاریخ متعین کی جاتی ہے اور وقت بھی متعین کیا جاتا ہے اور سب لوگ آواز ملا کر لاؤڈ اسپیکر پر ذکر کرتے ہیں۔یہ کیسا ہے؟

حضرت استاذ جی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس طرح ذکر کرنا ٹھیک نہیں۔اس طریقے سے ذکر کرنا نہ صحابہ سے ثابت ہے اور نہ ہی ہمارے اکابرین سے۔البتہ ہمارے اکابرین چھوٹے چھوٹے کمرے بناتے تھے جس میں صرف دو تین آدمی آسکتے تھے،ان کمروں میں بیٹھ کر الگ الگ ذکر کرتے تھے۔اور آج کل تو مجلس ذکر کے نام پر لوگ اشتہار چھپواتے ہیں۔یہ بالکل جائز نہیں۔بلکہ بدعت ہے۔''

[ملفوظات حکیم العصر:۱۳۰]

(۲۱)......حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

سوال:''کچھ لوگ مسجد میں بعد نمازِ عشاء حلقہ بنا کر درود شریف پڑھتے ہیں اور جمعرات کو شیرینی بھی تقسیم کرتے ہیں،**مجوّزین** کا اصرار ہے کہ حلقہ بنا کر درود شریف بآوازِ بلند پڑھنے کی اجازت ہونی چاہیے۔''

جواب:''درود وسلام کو کسی ہیئت کے ساتھ مخصوص کر دینا یا کسی ایسی ہیئت کو زیادہ ثواب کا موجب سمجھنا، جو صحابۂ کرام سے منقول نہیں اور جو شخص اس ہیئت کو اختیار نہ کرے اسے بُرا سمجھنا بدعت ہے، جس سے احتراز کرنا چاہئے، کبھی کبھی اجتماعی طور سے حلقہ بنا کر درود شریف پڑھنا اصلاً مباح ہے،لیکن چونکہ صحابۂ کرام سے یہ طریقہ منقول نہیں اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس میں ثواب زیادہ ہے اور جو شخص اس طریقے سے درود شریف نہ پڑھے وہ قابلِ نکیر نہیں ہے، لہٰذا اگر اس اجتماعی صورت کو زیادہ ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے اور جو شخص اس ہیئت کو اختیار نہ کرے اسے برا سمجھا جائے تو یہ بدعت ہوگا،اور چونکہ آج کل اس اجتماعی ہیئت کو اسی نیت سے اختیار کیا جاتا ہے اور سوال میں بھی اس کی تصریح ہے اس لیے اس طریقے کو ترک کرنا چاہیئے۔'' [فتاویٰ عثمانی:۱/۱۴۰،۱۴۱]

یاد رہے کہ اس فتوے پر مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی تصدیق وتصحیح بھی درج ہے۔

(۲۲)......حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد مدظلہ لکھتے ہیں:

''ہمیں دیکھنا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں جو مجالس اور حلقے (ذکر کے) قائم ہوتے تھے، کیا اُن کے لیے لوگوں کو بلایا جاتا تھا؟ دوسرے لفظوں میں کیا اُن مجالس کے انعقاد کے لیے تداعی ہوتی تھی؟ یا وہ مجالس اور حلقے بلا تداعی کے خود بخود قائم ہوجاتے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ خیر القرون میں تداعی کے ساتھ مجالسِ ذکر قائم کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔'' [فقہی مضامین:۱۲۸]

''بہر حال (صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں) اس بات کا التزام نہیں کیا جاتا تھا کہ سب ایک وقت

میں ایک ہی ذکر کریں بلکہ ایسا کرنے کو وہ بدعت جانتے تھے، اسی ناجائز طریقے کو ہم جماعتی یا اجتماعی ذکر کا نام دیتے ہیں۔'' [فقہی مضامین:۱۲۵]

''اجتماعی ذکر یعنی جب ذاکرین یہ التزام کریں کہ سب بیک وقت ایک ہی ذکر کریں پھر ذکر خواہ سرّی ہو یا جہری بدعت ومکروہ ہے، چاہے مسجد میں ہو یا غیر مسجد میں اور اگرچہ اجتماع بغیر تداعی کے ہوا ہو۔'' [فقہی مضامین:۱۴۷، ومروّجہ مجالسِ ذکرودرود کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۸و۲۹]

''اسی بناء پر گنگوہ، تھانہ بھون اور رائے پور جو اکابرینِ دیوبند کی خانقاہیں تھیں ان میں جماعتی واجتماعی ذکر یا وقتی مصلحت وضرورت کی بناء پر کسی مکروہ وبدعت کو اختیار نہیں کیا گیا۔''

[فقہی مضامین:۱۴۳، ومروّجہ مجالسِ ذکرودرود کی شرعی حیثیت صفحہ ۲۴]

''ہم ممانعت کو مطلق بھی نہیں لیتے اور وہ مجالسِ ذکر جو تداعی کے بغیر ہوں اور جن میں اجتماعی ذکر کا التزام نہ کیا گیا ہو، ان مجالسِ ذکر کو جائز سمجھتے ہیں اور صرف ان مجالسِ ذکر کی تخصیص کرتے ہیں جن کے لیے تداعی کی گئی ہو یا جن میں اجتماعی ذکر کا التزام کیا گیا ہو۔'' [ایضاً:۱۳۶]

''اللہ تعالیٰ کا ذکر اور نبی ﷺ پر درود مستحب ہے، لیکن غیر مشروع ہیئت میں اس کو کرنا بدعت ہے، ایک غیر مشروع ہیئت یہ ہے کہ اجتماعی صورت میں اس طریقے سے کیا جائے کہ سب ذکر کرنے والے یہ التزام کریں کہ وہ سب ایک وقت میں ایک ہی ذکر کریں گے، خواہ کسی کو امیر بنا کر یا اس کے بغیر اور خواہ جہراً ہو یا سرّاً ہو۔'' [فہمِ حدیث:۳۶۴/۱]

(۲۳)......مولانا سید مفتی عبدالقدوس ترمذی زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

ذکر وغیرہ مستحب عبادات کے لئے اجتماع اور تداعی کو فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے، اس لیے اجتماعی مجالسِ ذکر کو سنت یا مستحب نہیں کہا جاسکتا، صوفیاءِ کرام کے ہاں اگر تعلیم کے لیے اجتماعی ذکر ہو تو تعلیم اور علاج کی حد تک اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، احادیث میں اجتماعی ذکر کے جو واقعات مذکور ہیں، وہاں اجتماع کا اہتمام اور تداعی کا التزام نہ تھا، بلکہ صرف نفسِ اجتماع اور اس کی مباح کیفیات پائی جاتی تھیں، جیسا کہ حضرتِ اقدس مدنی رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، التزام واہتمام اور دیگر مفاسد، قیوداتِ زائدہ نہ تھیں اس لیے ان کو بنیاد بنا کر مروَّجہ مجالسِ ذکر کو مستحب ومسنون قرار دینا صحیح نہیں ہے۔''

[معارفِ مدنی:۴۴۹]

(۲۴)......ہفت روزہ ''ضربِ مومن'' میں ''دارالافتاء والارشاد'' کا یہ فتویٰ مع سوال وجواب شائع ہوا:

''سوال:......ذکرِ جہر بہیئتِ اجتماعیہ، دواماً کرنا، مع شرائط یعنی کسی نمازی، نائم، بیمار وغیرہ کو تکلیف نہ ہو، قرآن وحدیثِ نبوی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے موافق جائز ہے یا ناجائز؟ اور جو اس کو بدعت کہے وہ خود کیا ہے؟

جواب:...... تداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر قرآن وحدیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں، البتہ بعض اکابر علماء نے تزکیۂ نفس کی غرض سے دل جمعی اور حضورِ قلبی پیدا کرنے کے لئے ذکرِ جہری کو اختیار کیا ہے۔ اگر کچھ لوگ اتفاقاً یا وعظ سننے کی غرض سے جمع ہو جائیں اور ہر ایک اپنا اپنا ذکر کرے اور صورتاً ہیئتِ اجتماعیہ بن جائے، لیکن اس ہیئت کو لازم یا سنت و مستحب نہ سمجھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ان حدود کی رعایت ہو تو اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں، البتہ اگر کوئی شخص اس ہیئت میں ثواب سمجھے یا اس کو لازم یا مستحب سمجھے یا اس میں کسی اور بدعت کا ارتکاب کرے، تو پھر بے شک یہ بدعت اور ناجائز ہے۔'' [آپ کے مسائل کا حل: ۱/۱۶۰، ۱۶۱]

خلاصہ بحث: دو در جن کے لگ بھگ اکابر اہل سنت دیو بند کے حوالہ جات سے خوب اچھی طرح واضح ہو گیا کہ مروجہ مجالس ذکر شرعاً ناجائز اور بدعت ہیں جن میں

۱......اعلان واشتہار کے ذریعے دعوت دے کر محض ذکر کے لیے لوگوں کو جمع کیا جاتا ہے۔

۲......اہتمام کے ساتھ اجتماعی طور پر آواز ملا کر ذکر کیا جاتا ہے۔

۳......ذکر میں جہر اور وہ بھی جہرِ مفرط ہوتا ہے۔

۴......ہر جگہ ہر بیان کے بعد......اور مریدین اور غیر مریدین سب کو ذکر کرایا جاتا ہے۔

۵......ان مجالس کو مجالس تعلیم کے بجائے مقصود قرار دے کر ''مستحب'' سمجھا جاتا ہے۔

۶......بعض اوقات وقت اور جگہ وغیرہ کی مستقل تعیین بھی ہوتی ہے۔

۷......اِن خاص قسم کی مجالس کی مخالفت کرنے والوں کو ''مجالس ذکر اللہ کا مخالف'' کہا جاتا ہے۔

۸......اکابر اہل سنت دیو بند کی طرف اِن مجالس کی غلط طور پر نسبت کی جاتی ہے۔

۹......اِن مجالس کو اکابر اہل سنت کی، تعلیمی مجالس پر قیاس کیا جاتا ہے۔

۱۰......قرآن وسنت اور اقوال سلف سے غلط طور پر اِن کے دلائل اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

لہٰذا عوام وخواص اہل سنت کے لیے اِن مجالس سے اجتناب لازمی ہے۔ واللہ اعلم ☆☆

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''کوئی شخص مشائخ حقہ میں سے کسی سے بیعت ہو اور اُنہوں نے ذکر جہری کی تعلیم دی ہو تو تعلیم کے مطابق اپنا اپنا الگ الگ ذکر جہری کر سکتے ہیں، لیکن مسجد میں ذکر جہری سے نمازیوں کو تشویش اور تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں مسجد میں زور زور سے ذکر کرنا جائز نہیں۔......اسی طرح اگر مسجد میں ذکر جہری سے بدعتوں اور نئی چیزیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے موقع پر ذاکرین بھائی مسجد میں ذکر کرنے پر اصرار نہ کریں۔ اور ان کو چاہیے کہ اپنے گھروں میں اس طرح ذکر کریں کہ سونے والوں اور نماز پڑھنے والوں وغیرہم کو تکلیف نہ ہو۔''

[فتاویٰ رحیمیہ: ۲/۲۴۶]

مولانا عبدالرحیم چاریاری مدظلہم

مولانا محمد الیاس گھمن کی خدمت میں!

مولانا محمد الیاس گھمن ایک سوال (اجتماعی ذکر کا ثبوت دیں۔) کے جواب میں کہتے ہیں کہ:

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **لا یقعد قوم یذکرون اللہ**، جب ایک قوم، پوری جماعت اللہ کا ذکر شروع کرتی ہے، تو **(الا) حفتھم الملئکۃ**، ملائکہ اُن کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں، **غشیتھم الرحمۃ**، اُن پر خدا کی رحمت آتی ہے، **نزلت علیھم السکینۃ**، دلوں کو اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ **وذکرھم اللہ فیمن عندہ**. اور جو اللہ کے پاس ملائکہ ہیں، اللہ اُن میں اِن کا ذکر فرماتے ہیں۔ یہ روایت صحیح مسلم میں ہے، اور اِس روایت پر علامہ نووی رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے: وہ ہے ''باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن والذکر''۔ اجتماعی طور پر تلاوت اور ذکر کرنے کا مستحب ہونا۔ یہ تو صحیح مسلم کے اندر حدیث موجود ہے۔ جب ایک قوم بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتی ہے، تو جب ایک قوم ذکر کرتی ہے تو اکٹھا کرے گی یا الگ الگ کرے گی؟ بولو! اکٹھا کرے گی ناں؟

اور میں کہتا ہوں: اور کسی کو اعتراض ہو نہ ہو، کم از کم دیوبند والوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔

اُس کی وجہ: حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ذکر فرماتے تھے، اور [۱] اونچا......نمبر۲: اکیلے نہیں، اجتماعی۔......نمبر۳: گھر میں نہیں، مسجد میں۔ اونچا......اور اجتماعی......اور مسجد میں۔ اور وفات کے بعد اُن کی قبر سے خوشبو آئی۔ اگر یہ کام بدعت ہوتا تو بدعتی کی قبر سے خوشبو نہیں آتی، (بد) بو آسکتی ہے۔ خوشبو آئی۔ صاحبِ کشف تھے۔

اور مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کون تھے؟ محدث، مفسر، پیر اپنی جگہ پر، جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی امیر تھے۔ کوئی اور اعتراض کرے تو کرے، کم از کم دیوبندی تو نہ کرے۔'' [شارٹ کلپ #۱۷]

اِس اِرشاد سے مولانا گھمن ''مروجہ مجالس ذکر'' کو ثابت کرنا چاہ رہے جن میں تداعی واہتمام کے ساتھ آواز ملا کر جہری ذکر کیا جاتا ہے، یہی صورت خود مولانا گھمن کے ہاں بھی رائج ہے۔

حالانکہ ۱......مولانا محمد الیاس گھمن اپنے رسالے ''قافلہ حق'' وغیرہ میں جن اکابر کا نام استعمال کرتے ہیں، یعنی امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اور امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ، اُن اکابر نے اِس قسم کے ''اجتماعی ذکر'' کو بدعت قرار دیا ہے۔ حوالہ جات اِسی شمارے میں موجود ہیں۔

۲......نیز مولانا الیاس گھمن جن حضرات سے ''اجازت وخلافت'' کے مدعی ہیں، اُن میں سے

ایک حضرت حکیم اختر رحمہ اللہ ہیں۔ جن کی خلافت حکیم صاحب رحمہ اللہ کے اپنے اعلان کے مطابق ویڈیو بازی کی وجہ سے مولانا الیاس گھمن سے سلب ہو چکی ہے۔...... دوسرے حضرت مولانا امین شاہ رحمہ اللہ [مخدوم پور والے] ہیں، اجتماعی ذکر کے بارے میں اُن کا ملفوظ بھی اِسی شمارے کا حصہ ہے۔......اس کے علاوہ مولانا گھمن' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کے سلسلے میں بھی دوطرف سے خلافت کے مدعی ہیں، اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ بھی مروجہ مجالس ذکر کو درست نہیں سمجھتے، بلکہ بدعت قرار دیتے ہیں۔ حوالہ جات اِسی شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔ اَب مولانا گھمن اِرشاد فرمائیں کہ وہ جن بزرگوں کا نام استعمال کر رہے ہیں، اِس بارے میں وہ اُن میں سے کس کی پیروی کرتے ہیں؟

۳......مولانا گھمن نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا نام استعمال کیا ہے، حالانکہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ کی وساطت سے خود حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا ارشاد، امام اہل سنت مولانا سرفراز خان رحمہ اللہ کی صراحت اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی توضیح بھی اِسی شمارے میں موجود ہے۔ مولانا گھمن یہ بتائیں کہ خود حضرت لاہوری رحمہ اللہ اور دیگر اکابر کی اِن تصریحات وتوضیحات کے باوجود حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر سے ''مروجہ مجالس ذکر'' پر استدلال کرنے کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟

۴......مولانا الیاس گھمن نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے قائم کردہ باب کا بھی حوالہ دیا ہے۔ جبکہ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کی متعدد عبارات بالواسطہ اور بلا واسطہ نقل کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ امام نووی رحمہ اللہ کے نزدیک تو ذکر اور تکبیر وغیرہ میں 'جہر' بھی غیر مستحب ہے، چہ جائے کہ ''اجتماعی ذکر بالجہر'' مستحب ہو۔ دیکھیے حکم الذکر بالجہر :۱۶۷۔۱۶۹۔ لہٰذا محض باب کا عنوان دیکھ کر کوئی حکم لگانے کے بجائے امام نوویؒ کی جملہ عبارات کو مدنظر رکھ کر تطبیق دی جائے گی۔

۵......جو حدیث مبارکہ مولانا نے پیش کی ہے، اُس میں مروجہ صورت کے اجتماعی ذکر (آواز ملا کر ذکر کرنے) کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ بلکہ اکابر اہل سنت دیوبند کی تصریحات کے مطابق اِس حدیث سے فقط ذاکرین کا بلا تداعی واہتمام اکٹھے بیٹھ کر اپنے اپنے معمولات کا ذکر کرنا مراد ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے یہی حدیث ''فضائل ذکر'' میں درج فرمائی ہے، اور اپنے ایک مکتوب میں اکٹھے بیٹھ کر اپنا اپنا ذکر کرنے کو کوئی نوع سے موجب تاثیر قرار دیا ہے، لیکن آواز ملا کر ذکر کرنے کو بدعت فرمایا ہے۔

نیز یہ حدیث شریف چونکہ دیگر کتب حدیث کے علاوہ مسلم شریف میں بھی ہے، اِس لیے یہ عذر نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اکابر اہل سنت دیوبند کی نظر سے اوجھل رہ گئی ہوگی، بلکہ یہ یقیناً سب کے علم میں تھی، لیکن اِس کے باوجود سبھی نے ''اجتماعی ذکر'' سے منع فرمایا ہے تو لازماً حدیث کا مفہوم وہ نہیں ہے جو مولانا

گھمن اِس سے کشید کرنا چاہ رہے ہیں۔

٦......ایک سوال یہ بھی ہے کہ اگر اِس حدیث کا وہی مفہوم ہے جو مولانا گھمن نے اِرشاد فرمایا ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ، راوئ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، چودہ سو سالہ اکابر اہل سنت اور علمائے دیو بند سے صراحت کے ساتھ مجلس ذکر کی یہ صورت (تعلیم کے علاوہ) منقول کیوں نہیں ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ ایک عمل مستحب ہو اور اس کی کوئی صریح مثال نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے، نہ صحابہ کرام سے، نہ راوی حدیث سے، نہ خیر القرون سے اور نہ چودہ سو سالہ امت کے علماء وفقہاء سے؟

٧......نیز اِس سوال کا جواب دیئے بغیر بھی مولانا گھمن کی بات قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ: اگر حدیث شریف میں اجتماعی طور پر یعنی آواز ملا کر ذکر کرنے کا بیان ہے، تو پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسا کرنے والوں کو بدعتی قرار دے کر مسجد سے نکال کیوں دیا تھا؟ (ممکن ہے مولانا گھمن ''ذکر اللہ کے فضائل ومسائل'' نامی کتاب کے مؤلف کی پیروی میں یہ کہہ دیں کہ حدیث ابن مسعود سنداً صحیح نہیں۔ تو اُس کا جواب یہ ہے کہ: یہ دعویٰ درست نہیں، کیونکہ بہت سے محدثین نے نہ صرف اِس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، بلکہ اکابر اہل سنت دیو بند مثلاً حضرت مفتی کفایت اللہ، مولانا سرفراز خان صفدر، مولانا رشید احمد لدھیانوی رحمہم اللہ وغیر ہم نے اِس حدیث سے استدلال بھی کیا ہے۔ اور ظاہر ہے محدثین وفقہاء جس حدیث سے استدلال کریں، وہ یقیناً اُن کے نزدیک اصلاً یا تائیداً ''صحیح'' ہوتی ہے۔

٨......گھمن صاحب کی پیش کردہ اِسی حدیث سے ایک بریلوی عالم نے ذکر بالجہر پر استدلال کرنے کی کوشش کی تھی، اُس کے جواب میں امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ (جن کا نام بھرپور طریقے سے استعمال کرنے کے باوجود اُن کے ویڈیو اور تصویر کی حرمت کے فتوے سے گھمن صاحب کو سخت چڑ ہے۔ اُنہوں) نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''حکم الذکر بالجہر'' میں اُن بریلوی عالم کے استدلال کے جو جوابات تحریر فرمائے تھے، گھمن صاحب کو وہ بھی دیکھ لینے چاہییں، کہ جس حدیث میں ''جہر'' کی بھی صراحت نہیں، اُس سے ''اجتماعی ذکر بالجہر'' کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟

٩......آخری بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر کہیں اجتماعی طور پر جہر ثابت ہے (مثلاً: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد صحابہ کے ساتھ مل کر تسبیح وتہلیل پڑھتے تھے۔) تو وہ صرف تعلیم کے لیے ہے۔ دیکھیے حکم الذکر بالجہر: ١٧٠۔ جیسا کہ حضرت لاہوریؒ کی مجالس ذکر تعلیم کے لیے تھیں۔

لہٰذا مولانا گھمن کا اِس حدیث سے 'مروجہ مجالس ذکر' کے جواز پر استدلال کرنا بالکل غلط ثابت ہوا۔

نوٹ: مولانا گھمن نے ''ذکر بالجہر کی شرعی حیثیت'' کے بارے میں بھی جمہور اکابر دیو بند سے جدا موقف اپنایا ہے۔ نیز اِس سلسلے میں اُن کے اپنے قول وعمل میں بھی تضاد ہے، اس کی وضاحت پھر کبھی!

بہ سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

مسئلہ امکانِ نظیر اور آلِ غیر مقلدیت

قسط: ۳

زبیر علی زئی:

''آلِ دیوبند کے پسندیدہ [۴۶۲] وحید الزمان (غیر اہلِ حدیث [۴۶۳]) کا اہلِ حدیث کے خلاف ہر حوالہ غلط [۴۶۴] ہے۔''

الجواب:

۴۶۲

وحید الزمان صاحب دیوبندیوں کے پسندیدہ کیسے ہیں؟ کوئی حوالہ؟ نیز جس معیار کی بناء پر انہیں دیوبندیوں کا پسندیدہ کہا ہے، وہ معیار پیش کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ سے جانچا جا سکے کہ علمائے احناف و دیوبند غیر مقلدین کے ہاں پسندیدہ شمار ہوتے ہیں یا نہیں؟

وحید الزمان کے تراجم:

دیوبندیوں کے ہاں وحید الزمان کے پسندیدہ ہونے کی علی زئی صاحب نے یہاں کوئی دلیل نہیں دی، البتہ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''دیوبندیوں کے نزدیک وحید الزمان کا ترجمہ پسندیدہ ہے محمد یحییٰ صدیقی، داماد شبیر احمد عثانی دیوبندی لکھتے ہیں: چنانچہ طے ہوا کہ مولانا وحید الزمان کا اردو ترجمہ دوسرے کالم میں دیا جائے....''

[توضیح الاحکام ۴۲۹/۲]

علی زئی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ وحید الزمان کے ترجمہ بخاری کو پسند کیا گیا ہے۔

عرض ہے کہ جس کسی دیوبندی نے وحید الزمان کے ترجمہ بخاری کو شائع کرنا پسند کیا اُس نے محض حسنِ ظن کی بناء پر ایسا کیا ورنہ اس ترجمہ کو غور سے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ وحید الزمان نے جہاں کہیں بخاری کی حدیث کو اپنے خلاف پایا تو وہاں ڈنڈی مارنے کی کوشش کی ہے، مثلاً:

مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے متعلق بخاری میں حدیث ہے:

قال فی الثالثة لمن شاء كراهية ان يتخذها الناس سنة. [بخاری]

وحید الزمان نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا:

''تیسری بار یوں فرمایا: جو کوئی چاہے، آپؐ نے بُرا جانا کہ لوگ اس کو لازمی سمجھ لیں۔''

[تیسیر الباری: ۱۹۱/۲]

وحید الزمان صاحب نے ''سنة'' کا معنیٰ ''لازمی'' کیا ہے۔ اگر ''سنة'' کا معنیٰ سنت کرتے تو ترجمہ یوں ہوتا:

''آپؐ نے بُرا جانا کہ لوگ اس کو سنت سمجھ لیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے سنت بنا لینے کو بُرا خیال کیا ہے جب کہ غیر مقلدین کے ہاں یہ دو رکعتیں سنت ہیں، اس لیے وحید الزمان صاحب نے مسلک کے دفاع میں ''سنة'' کا معنیٰ ''لازمی'' کیا ہے۔

وحید الزمان صاحب نے حدیثِ بخاری درج کی جس کا آخری حصہ یہ ہے:

''فرکبت البحر زمان معاویة فصرعت عن دابتها حین خرجت من البحر فھلکت.''

پھر اس کا ترجمہ یوں کیا:

''پھر ایسا ہوا ام حرام (مجاہدین کے ساتھ) سمندر پر سوار ہوئیں جب سمندر پار ہوئیں تو اپنی سواری کے جانور سے گر کر مر گئیں۔'' [تیسیر الباری: ۱۹۳/۸]

وحید الزمان صاحب کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے خاص کر بغض ہے اس لیے ''زمان معاویة'' کا ترجمہ چھوڑ دیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ بخاری وغیرہ کتبِ حدیث کا ترجمہ نواب صدیق حسن غیر مقلد نے وحید الزمان صاحب سے کرایا اور اس دَور میں پچاس روپے کی خطیر رقم ماہانہ بطورِ معاوضہ دیتے رہے۔

[نواب صدیق حسن کی خدماتِ حدیث: ۱۴۶]

اسی بات کا اعتراف خود وحید الزمان نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ وہ نواب صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''خدمتِ ترجمہ صحاح ستہ کی مفوّض فرمائی اور واسطے گزر اوقات کے پچاس پچاس روپیہ ماہوار حرمین شریفین میں مقرر فرمائے۔'' [مؤطا امام مالک مترجم: ۱۵]

یعنی نواب صاحب غیر مقلد کے حکم پر وحید الزمان نے بخاری کا ترجمہ کیا اور ان کے وظیفہ پر وہ پلتے رہے۔ بلکہ بعد والے غیر مقلدین نے ان تراجم کو اہلِ حدیث خدمات میں شمار کرتے ہوئے اُن کی مدح سرائی کی ہے۔ مثلاً دیکھئے ارشاد الحق اثری غیر مقلد کی کتاب ''پاک و ہند میں علمائے اہلِ حدیث کی خدماتِ حدیث: ۸۳''

داؤد ارشد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

'' علامہ وحید الزمان ... نے کتبِ حدیث کے تراجم کرکے ایک بہترین خدمت سرانجام دی۔''[حدیث اور اہلِ تقلید:۱/۲۱۳]

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''ان کے تراجم تو مستند ہیں۔''[تحفہ حنفیہ:۳۹۰]

کوئی دیوبندی وحید الزمان کا ترجمۂ بخاری شائع کرنا پسند کرے تو علی زئی صاحب کے ہاں وحید الزمان دیوبندیوں کا پسندیدہ بن جاتا ہے۔ غیر مقلدین اُن سے ترجمہ کرائیں، انہیں وظیفہ جاری کریں، ان کے تراجم کو مستند قرار دے کر انہیں بہترین خدمت کہیں، انہیں اہلِ حدیث بتائیں، اور وہ خود بھی اہلِ حدیث کہلائیں تو اس سب کچھ کے باوجود وہ غیر مقلدین کے پسندیدہ کیوں نہیں؟

نیز اگر ترجمہ پسند کرنے سے مترجم دیوبندیوں کا ''پسندیدہ'' کہلایا ہے تو عرض ہے کہ علمائے احناف اور علمائے دیوبند کے تراجم کو غیر مقلدین پسند کر چکے ہیں، کیا وہ غیر مقلدین کے پسندیدہ شمار ہوں گے؟

امام خان نوشہروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

'' قرآن کریم کا اردو ترجمہ جو اپنی اولیت و اولویت میں اتنا اہم ہے کہ اگر اُردو زبان میں قرآن مجید نازل ہوتا تو انہیں محاورات کے لباس میں آراستہ ہوتا جن کی رعائت مولانا شاہ عبد القادر صاحب [حنفی، (ناقل)] نے اس ترجمہ میں پیشِ نظر رکھی ہے۔''[تراجم علمائے حدیث ہند:۶۴]

اسحاق بھٹی صاحب غیر مقلد نے حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کو ''تفسیر قرآن میں یکتا'' قرار دیا ہے۔[ہفت روزہ خدام الدین، امام الاولیاء حضرت لاہوری نمبر:۲۶۲]

غیر مقلدین نے علمائے دیوبند کے نہ صرف تراجم کو پسند کیا بلکہ ان کے عقیدہ، عمل، علم، تقویٰ، خلوص، تصنیف، تدریس، تبلیغ، اخلاق اور تصوّف وغیرہ بہت سی خوبیوں کو سراہا ہے۔ حوالہ جات بندہ کی کتاب ''غیر مقلدین کا علمائے دیوبند کو خراجِ تحسین'' میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ کتاب مجلّہ ''الفتحیہ'' احمد پور شرقیہ میں قسط وار شائع ہو رہی ہے، باون (۵۲) قسطیں شائع ہو چکی ہیں الحمد للہ۔

۶۳ ؎

وحید الزمان صاحب کا مسلک دیگر غیر مقلدین اور خود اُن کے اپنے اعتراف کے مطابق اہلِ حدیث، سلفی اور ترکِ تقلید تھا۔ دیکھئے ہماری اسی کتاب کا حاشیہ ۹۹، ۱۰۱ وغیرہ۔ چند حوالہ جات یہاں بھی ملاحظہ فرمالیں۔

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''سلفی عالم نواب وحید الزماں'' [ضمیر کا بحران:۲۱۶]

عتیق امجد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا وحید الزمانؒ (متوفی ۱۳۳۸ھ) پہلے متعصب حنفی المذہب تھے۔ تحقیق کے بعد نہ صرف کتاب وسنت سے وابستہ ہوگئے بلکہ کتاب وسنت کے داعی بن گئے اور تقلید کی بجائے اتباعِ سنت کا مشرب اختیار کرلیا۔'' [نواب صدیق حسن کی خدماتِ حدیث:۱۴۶]

داؤد ارشد صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''علامہ وحید الزمان علم حدیث میں تبحر رکھتے تھے۔'' [حدیث اور اہلِ حدیث:۱/۱۴۷]

غیر مقلدین کے ہاں ''متبحر عالم'' غیر مقلد ہی ہوتا ہے، رہا مقلد تو اسے وہ جاہل قرار دیتے ہیں۔

علی زئی صاحب نے یہاں وحید الزمان کو ''غیر اہلِ حدیث'' کہا۔ حالانکہ ان کی اس تحریر سے کافی عرصہ پہلے وحید الزمان کی غیر مقلدیت پر غیر مقلدین کی تیس سے زائد گواہیاں ہم اپنی اسی کتاب ''زبیر علی زئی کا تعاقب'' میں پیش کر چکے تھے۔ علی زئی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ ان کا جواب دیتے۔ مگر انہوں نے جواب دینے کی بجائے وہی رٹا رٹایا جملہ ''وحید الزمان غیر اہلِ حدیث'' لکھ دیا اور ان کے غیر اہلِ حدیث ہونے پر دلیل کوئی نہیں دی۔

علی زئی صاحب کے ہاں امکانِ نظیر کا عقیدہ ''گندہ'' ہے، اس کا قائل آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ جب کہ وحید الزمان صاحب امکانِ نظر کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ مخالف کو بے وقوف اور قرآن وحدیث سے بے بہرہ کہتے ہیں۔ [رفع العجاجة عن سنن ابن ماجه:۱/۳۹۹]

علی زئی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ برملا کہہ دیتے کہ وحید الزمان گندے عقیدہ کا حامل ہے اور وہ آخرت میں عذابِ الٰہی کا شکار ہوگا۔ مگر وہ صرف یہ کہہ کر آگے نکل گئے کہ وحید الزمان غیر اہلِ حدیث تھا۔

اب بھی جو غیر مقلدین علی زئی صاحب کے ہم نوا ہوں، وہ وحید الزمان (چاہے اس کا کوئی مسلک بھی ہو) کو بدعقیدہ اور اُخروی مجرم کہنے کی ہمت کریں۔

٤٦٤

کیوں غلط ہے؟ غیر مقلدین کہا کرتے ہیں کہ امت کا کوئی بھی فرد ہو اس کی بات غلط ہوسکتی ہے اور غلط بات کو رد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اگر وحید الزمان غیر مقلدین کی غلط باتوں پر نکیر کرے تو اسے اس کا حق کیوں نہیں؟

جس طرح علی زئی صاحب نے یہ لکھا کہ اہلِ حدیث کے خلاف وحید الزمان کا ہر حوالہ غلط ہے،

اسی طرح یہ بھی لکھ دیتے کہ اہلِ حدیث کی تائید میں بھی وحید الزمان جو لکھے وہ مردود ہے۔

امکانِ نظیر کے اثبات میں وحید الزمان متفرد نہیں کہ ان کے حوالہ کو''غلط'' کہہ کر جان چھڑالی جائے بلکہ میری معلومات اور یادداشت کے مطابق علی زئی صاحب سے پہلے سارے غیر مقلدین امکانِ نظیر کے قائل رہے ہیں تو اُن سب کے بارے میں کیا جواب ہوگا؟

وحید الزمان صاحب کا غیر مقلدین کے خلاف ہر حوالہ علی زئی صاحب کے ہاں غلط ہے مگر یہ بتادیا ہوتا کہ علی زئی صاحب کا جو حوالہ غیر مقلدین کے خلاف ہو وہ بھی غلط ہوگا؟

مثلاً عبد الرحمٰن مبارک پوری سے لے کر محمد خبیب اثری تک غیر مقلدین واذا قرأ فانصتوا حدیثِ نبوی کو ضعیف کہتے چلے آئے جب کہ علی زئی صاحب نے اس حدیث کی صحت پر مستقل مضمون لکھا۔ [علمی مقالات:۲/۲۲۹ تا ۲۶۵]

طویل عرصہ سے غیر مقلدین لکھتے آرہے ہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں مگر ان سب کے خلاف علی زئی صاحب نے فتویٰ دیا کہ قربانی کے تین دن ہیں۔[توضیح الاحکام:۲/۱۷۵]

برس ہا برس سے غیر مقلدین دعویٰ کرتے آئے ہیں کہ چار دن قربانی کے قائل متعدد صحابہ کرام ہیں۔جب کہ علی زئی صاحب نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا:

''صحابہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی قربانی کے چار دن ثابت نہیں۔'' [علمی مقالات:۴/۳۴۵]

عزیز الرحمٰن مراد آبادی سے لے کر دورِ قریب تک سارے غیر مقلد امکانِ نظیر کو حق کہہ کر شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا دفاع کرتے آئے مگر علی زئی صاحب ان کے خلاف امکانِ نظیر کو گندہ عقیدہ کہہ کر قائل کو عذابِ آخرت کی وعید سناتے ہیں۔

عبد اللہ غزنوی سے لے کر ماضی قریب تک غیر مقلدین کشف والہام کو مانتے آئے ہیں مگر علی زئی صاحب نے کشف والہام کو علم غیب کا نام دے کر رد کر دیا ہے۔[توضیح الاحکام:۲/۸۷]

محمد جونا گڑھی سے لے کر رئیس محمد ندوی تک غیر مقلدین سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر حدیثیں بھلا دینے کا الزام لگاتے رہے ہیں۔مگر علی زئی صاحب نے اُن کی طرف حدیثیں بھلانے کی نسبت کرنے کو''گستاخی'' قرار دیا ہے۔[الحدیث شمارہ:۳۸]

میاں نذیر حسین دہلوی کے زمانہ سے لے کر عبد الروف سندھو تک غیر مقلدین لکھتے چلے آئے ہیں کہ منی پاک ہے مگر علی زئی صاحب نے ان سب کے خلاف منی کے نجس ہونے کا فتوی دیا ہے۔ [توضیح الاحکام:۱/۲۱۲]

غیر مقلدین کے خلاف علی زئی تفردات کی طویل فہرست میرے پیشِ نظر ہے،نمونہ کے لیے

اتنا کچھ کافی ہے جو اُوپر لکھ دیا۔

اب کوئی ایسا اصول و معیار بتایا جائے کہ غیر مقلدین کے خلاف وحید الزمان کا تو ہر حوالہ مردود قرار پائے اور علی زئی کا حوالہ اپنوں کے خلاف ہو تو وہ حدیث کی خدمت کہلائے؟

علی زئی صاحب تو اہلِ حدیث کے خلاف وحید الزمان کے حوالہ جات کو غلط کہتے ہیں جب کہ دوسرے غیر مقلد اُنہیں بڑا مان کر ان کے ایسے حوالوں کو اصاغر اہلِ حدیث کی اصلاح قرار دیتے ہوئے اس عمل کو قابلِ تعریف کہتے ہیں۔

رئیس محمد ندوی غیر مقلد، وحید الزمان صاحب کے ایک حوالہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بات صرف اتنی ہے کہ نواب وحید الزماں نے ان بعض اہلِ حدیث لوگوں پر یہ تنقید کی ہے جو ترکِ تقلید کے دعوے دار ہونے کے باوجود بے جا طور پر موقف ابن تیمیہ وغیرہ کی حمایت میں سرگرمی دکھاتے ہیں انہیں نواب وحید الزمان نے یہ سمجھایا کہ یہ بے جا حمایت کسی کی بھی نہیں ہونی چاہیے کیا اپنی جماعت کے بعض لوگوں کو بعض غلط روش سے روکنا بھی مذہب اہلِ حدیث کے عیوب میں سے ہے؟ اور کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ بعض اہلِ حدیث لوگ اپنی جماعت و مذہب کے اصول کے خلاف محض جوش کی وجہ سے بعض اہلِ حدیث علماء کی بے جا حمایت پر مستعدر ہیں؟'' [ضمیر کا بحران:۲۱۶]

داؤد ارشد غیر مقلد ''عبارات علمائے اہلِ حدیث'' عنوان قائم کر کے وحید الزمان صاحب وغیرہ علمائے غیر مقلدین کی عبارات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''انوار صاحب نے...نواب وحید الزماں وغیرہ کی عبارات پیش کی ہیں۔جس میں انہوں نے اہلِ حدیث پر تنقید کی ہے۔ بلاشبہ انہوں نے یہ تنقید کی ہے، وہ بڑے لوگ تھے۔ ہمیشہ بڑے چھوٹوں کی کوتاہیوں پر تنبیہ کیا کرتے ہیں، یہ چیز قابلِ تعریف ہے۔'' [حدیث اور اہلِ حدیث:۱/۱۴۳] (جاری) ☆☆

وفیات

......حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کے فرزند مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ

......سانحہ قندوز میں شہید ہونے والے مسلمان رحمہم اللہ

......حضرت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ دامت برکاتہم [کراچی] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ

......حضرت امام اہلِ سنت رحمہ اللہ کے معالج خاص ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ

......محترم جناب نذیر جونیجو صاحب (سندھ) کے بہنوئی رحمہ اللہ

......جناب محمد خان سومرو رحمہ اللہ [جنھان سومرو، سندھ]

قارئین سے مرحومین کی مغفرت اور پسماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔[ادارہ]

مولانا مجیب الرحمٰن مدظلہم، ڈیرہ اسماعیل خان

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا......اور...... جنگ جمل

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رحمۃ للعالمین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین. أمابعد!

چند ماہ قبل بندہ نے ایک مضمون ''حدیث کلاب حوأب اور قاضی طاہر علی کی تحقیق پر ایک نظر'' لکھا جو مجلّہ صفدر میں قسط وار شائع ہوا۔ اُس مضمون میں قاضی طاہر علی ہاشمی صاحب کی مختلف باتوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً مشاجرات صحابہ کی بحث بھی آئی، بندہ اپنے اکابر کی اِس بات سے بالکل متفق ہے کہ خوامخواہ اِس قسم کی بحثوں میں اُلجھنا اور امت کو الجھانا درست نہیں۔ لیکن جب بعض صحابہ کرام کے دفاع کے نام پر بعض دوسرے صحابہ کی تنقیص کی کوشش کی جائے اور اکابر اہل سنت سے نوجوان نسل کا اعتماد اٹھانے کی ناپاک سعی کی جائے تو عوام کا ایمان وعقیدہ بچانے اور تمام صحابہ کرام سے یکساں عقیدت قائم رکھنے کے لیے مجبوراً حقائق زیبِ قرطاس کرنے پڑتے ہیں۔ ہمارے اکابر نے بھی مختلف موضوعات پر جو ابحاث فرمائیں وہ اِسی پس منظر میں تھیں، جیسے رفع یدین، اخفاء آمین اور مشاجرات صحابہ وغیرہ۔ اور ''**البادی أظلم**'' کے مطابق اس میں بھی قصوروار وہی ہوتا ہے جو ایسی ابحاث کو نہ صرف چھیڑتا ہے، بلکہ چودہ سو سالہ اہل سنت کے مسلک سے ہٹ کر خلافِ حقیقت باتیں پھیلاتا اور اہل حق کو جوابی کاروائی پر مجبور کرتا ہے۔

ہمارے اُس مضمون میں احادیثِ نبویہ، آثارِ صحابہ اور اسلافِ اہل سنت کی تصریحات کے مطابق مشاجرات صحابہ میں شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر اور اُن کے مخالفین کے خطائے اجتہادی پر ہونے کا تذکرہ بھی ہوا۔ اور وہ مضمون چونکہ حدیث کلابِ حوأب سے متعلق تھا، اور کلابِ حوأب کا واقعہ جنگ جمل کے سفر میں ہی پیش آیا تھا، اس لیے اس جنگ کے کچھ احوال کا تذکرہ بھی ناگزیر تھا۔

اس مضمون کی اشاعت پر عشق صحابہ سے سرشار بلکہ فنافی الصحابہ کے طور پر معروف ایک معزز و محترم صاحب کو تحفظات ہوئے، اُن کا فرمانا یہ تھا کہ: ''ایسا نہ ہو کہ اِس مضمون کی وجہ سے کسی مسلمان کے دل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی محبت والفت میں کمی آجائے۔'' اُن صاحب کا یہ جذبہ اور اخلاص بہرحال قابل قدر ہے۔ چنانچہ ہم نے خود بھی اپنے اس مضمون کا جائزہ لیا، اور متعدد اہل علم سے بھی گذارش کی کہ وہ اس کا بغور جائزہ لیں، اگر واقعۃً اس میں ایسی کوئی بات ہے تو ہم اس سے اعلانیہ توبہ اور براءت کے لیے بالکل تیار ہیں۔

استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی مدظلہم کے معتمد کی رائے:

چنانچہ بندہ نے وہ مضمون حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی مدظلہم کی خدمت میں بھی بھیجا، اُنہوں نے اپنے معتمد، دارالعلوم کراچی کے مایہ ناز استاذ و مفتی حضرت مولانا شاہ تفضّل علی صاحب دامت برکاتہم کے ذریعے اس مضمون کا جائزہ لیا اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ مکتوب گرامی ملاحظہ ہو!

''محترم و مکرم جناب مولانا مجیب الرحمٰن صاحب مدظلہم

(مدیر دارالعلوم الاسلامیہ ماہڑہ، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کی طرف سے حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم العالیہ کے نام ارسال کردہ خط حضرت والا مدظلہم کو وصول ہوا، آج کل حضرت والا مدظلہم کی طبیعت ناساز چل رہی ہے (اللہ تعالیٰ اُن کو، اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو اور ہمارے سب بزرگوں کو صحت و عافیت سے سلامت رکھے۔ آمین) طبیعت کی ناسازی اور گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے آپ کی ارسال کردہ تحریر جو کہ ''حدیث کلاب حوأب کا مصداق'' سے متعلق ہے، احقر کو مطالعہ اور غور کرنے کے لیے عنایت فرمائی، احقر نے اُس کا مطالعہ کیا اور خوب استفادہ کیا، ماشاء اللہ اِس موضوع پر یہ ایک اچھی تحقیق ہے اور مضامین بھی بہت عمدہ ہیں۔

اگرچہ بعض مقامات پر اردو کے حوالہ سے نظر ثانی ہو جائے تو بہتر ہے۔

(بندہ مجیب الرحمٰن نے اپنے عریضہ میں لکھا تھا کہ: اگر حضرت اِس مضمون کو اپنے ادارے سے شائع فرمائیں تو بندہ کو بہت خوشی ہوگی۔ تو اس کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:)

لیکن اس موضوع پر چوں کہ اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور موضوع بھی اختلافی ہے، اِس لیے حضرت مدظلہم العالی کی رائے میں اِس کو شائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں برکت عطاء فرمائیں، اور مزید خدمتِ دین کے لیے موفق فرمائیں۔ آمین

والسلام مع الاکرام......احقر شاہ محمد تفضّل علی عفی عنہ......دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۱/ربیع الثانی سنہ ۱۴۳۹ھ......۹/جنوری سنہ ۲۰۱۸ء

اِسی طرح دیگر علماء کو بھی یہ مضمون بھیجا گیا، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے بعض مریدین و متعلقین سے بھی نظر ثانی کی گذارش کی گئی، لیکن جب متعدد اہل علم نے اس مضمون کے بارے اُن صاحب کے ارشاد فرمودہ کسی بھی قسم کے خدشہ کی نفی فرما دی تو ہم نے اللہ پاک کا شکر ادا کیا کہ جس نے ہمیں صحابہ کرام کے بارے میں کسی بھی نامناسب انداز سے محفوظ رکھا۔ الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ.

اہل علم کی آراء کے بعد بندہ کو اطمینان تو ہوا ہی، تحفظات کا اظہار کرنے والے صاحب پر حیرت

بھی ہوئی آخر اُن کو ایسا کیوں محسوس ہوا؟ حالانکہ وہ قائد اہل سنت وکیل صحابہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے مرید اور اُن کی تحریرات سے واقف ہیں۔غور فکر کے بعد اس کی وجہ یہ سمجھ میں آئی کہ ہمارا وہ مضمون 'علمی' تھا اور 'جوابی' تھا۔جبکہ اُن صاحب نے اُسے عوامی اعتبار سے دیکھا اور شاید جوابی ہونے کے پہلو کی طرف توجہ نہیں فرمائی، اس لیے اُنہیں تحفظات پیش آئے۔ بہر حال اس کے بعد ادارہ ''صفدر'' والوں نے حدیث کلابِ حوأب اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر طعن سے متعلق دیگر اہل علم کے مضامین بھی شائع کیے، اُمید ہے اُن صاحب کے تحفظات رفع ہو گئے ہوں گے۔

بندہ کا اَب بھی اعلان ہے کہ اصلاح کا حق ہر صاحبِ علم کو ہے، جب بھی کوئی صاحبِ علم مجھے میری کسی بھی غلطی یا بے ادبی پر تنبیہ کرے گا، میں ان شاء اللہ فوراً توبہ اور رجوع کر لوں گا۔

باقی جہاں تک حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی عالی شان ہے اُس میں کوئی مسلمان' بشرطیکہ واقعی مسلمان ہو شک ہی نہیں کر سکتا، امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی محبت وعظمت اور عقیدت دل میں ہونا جزوِ ایمان ہے، جس میں اماں جی رضی اللہ عنہا کی عقیدت نہیں وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہے۔

مگر روافض لوگ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی محبت وعقیدت سے خالی ہونے کے سبب آپ رضی اللہ عنہا پر جنگ جمل میں شرکت پر طعن کیا کرتے ہیں، اُس کی حقیقت اور اماں جی رضی اللہ عنہا کی صفائی بیان کرنا مجبوراً ضروری ہو گیا، تاکہ طبع نازک کی گرانی ختم ہو، اور اس لیے بھی کہ تاکہ روافض بھی اُس مضمون سے طعن کا موقع نہ پا سکیں۔

واقعہ جنگ جمل اور اس کا پس منظر:

جنگ جمل وصفین کے پیچھے اصل سازش اُنہی سازشیوں کی ہے جن کی سازش سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں، اور آج جنگ جمل وصفین کے معرکوں کو لے کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد کو حضرت علی رضی اللہ عنہم کے مخالف ٹھہرا کر اُن پر کفر یا فسق کا حکم لگانے والے بھی اُنہی سازشیوں کے ہم نظریہ لوگ ہیں، مگر اُن کی زبان اور قلم اُن سازشیوں اور اُن کے نظریات کے خلاف تو استعمال نہیں ہوتی، لیکن اُن کی سازش سے آزمائش میں پڑ جانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف دین اور نیکی سمجھ کر استعمال ہوتی ہے، گویا ایک سازشی گروپ نے دو بھائیوں کو لڑا دیا اور پھر اُنہوں نے اور اُن کی اولاد نے اُن بھائیوں پر تنقید شروع کر دی کہ وہ کیوں لڑ پڑے؟ اُنہیں لڑنا نہیں چاہیے تھا؟ اُن دو بھائیوں میں سے فلاں نے دوسرے پر ظلم کیا، وغیرہ۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اکٹھے حج کرنے کے لیے مکہ شریف تشریف لے گئی تھیں، وہ حج کر کے مکہ مکرمہ سے واپسی پر راستہ میں تھیں کہ اُنہیں خبر ملی کہ حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے ہیں، مدینہ کے حالات سازگار نہیں ہیں، چنانچہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں ہی ٹھہر گئیں، اُدھر مدینہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی۔ بہت سے صحابہ کرام جہاد کے لیے مختلف میدانوں میں تھے، جبکہ کچھ حج کے لیے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے، اور مدینہ میں بہت کم مسلمان رہ گئے تھے، اِسی افرادی قلت کو دیکھ کر سازشیوں نے موقع غنیمت جانا اور مدینہ پر گویا قبضہ کر لیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر بعض صحابہ کرام جنہیں سازشیوں سے خطرہ تھا، جان بچانے کی خاطر دائیں بائیں ہوگئے۔ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے بھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کر چکے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عمرہ کی اجازت لے کر مکہ مکرمہ تشریف لائے، مکہ مکرمہ میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہاں لوگوں میں بیان فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص کے مطالبہ کی ترغیب دی، لوگوں نے تائید کی، اور کہا جدھر کو آپ چلیں گی ہم ساتھ چلیں گے، مشورہ ہوا، ایک رائے یہ آئی کہ ملک شام چلیں، دوسری رائے آئی کہ مدینہ طیبہ چل کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے مطالبہ رکھیں، تیسری رائے آئی کہ بصرہ جائیں وہاں لوگوں کو تیار کریں اور وہاں جو قاتلین ہیں اُن قاتلین سے قتل کی ابتداء کریں۔ (البدایہ)

علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ: جب ان حضرات نے مکہ مکرمہ میں حضرت ام المؤمنین کو حالات سے آگاہ کیا تو ام المؤمنین نے یہ مشورہ دیا کہ: ''جب تک یہ نادان مدینہ طیبہ میں ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گھیرے ہوئے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قصاص پر اور اِن لوگوں کو مدینہ شریف سے نکال دینے پر قدرت نہیں تب تک امن والے کسی شہر میں رہائش اختیار کر لو، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کے استحکام کا انتظار کرو، اور سازشیوں کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دور ہونے میں اور اُن سے انتقام لینے میں اُن کی مدد کرو۔'' تو سب نے اِس رائے کو پسند کیا، اِس کے لیے انہوں نے بصرہ شہر کو پسند کیا اور حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہ اصرار عرض کیا کہ فتنہ ختم ہونے اور امن اور خلافت کے استحکام تک وہ بھی اُن کے ساتھ ہوں۔ [روح المعانی:۹/۲۲]

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اصلاح کی نیت سے اور بہت سے صحابہ کی جانوں کی حفاظت کی نیت سے اُن حضرات کے ساتھ بصرہ کی طرف چل پڑیں، باقی ازواج مطہرات ذاتِ عِرق تک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آئیں، مگر آگے اُن کے ساتھ جانے کے بجائے انہوں نے مدینہ طیبہ واپسی کی راہ لی اور بصرہ جانے سے انکار کیا، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بصرہ جانا چاہتی تھیں مگر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اُن کو منع کر دیا، حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر اور

بھانجیاں ام کلثوم واسماء وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی ساتھ تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کجاوہ لوہے کا تھا، تین ہزار آدمی گھڑ سوار ساتھ تھے۔ [بدایہ، روح المعانی]

راستہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر نمازیں پڑھاتے اور مروان بن حکم اذان دیتے تھے، جب بصرہ کے قریب پہنچے تو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے وہاں کے گورنر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کو آنے کی اطلاع دی، انہوں نے آدمی بھیج کر تشریف لانے کی غرض معلوم کی تو ام المؤمنین نے بتایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید ہوئے ہیں اُن کے قصاص کے مطالبے کے لیے لوگوں کو آمادہ کرنا اور لوگوں میں اصلاح حال مقصود ہے، حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما نے بھی یہی غرض بیان کی، ام المؤمنین اور ساتھ والے حضرات رضی اللہ عنہم بصرہ کے قریب مِربد میں ٹھہرے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بصرہ کی طرف سفر کرنے سے پہلے وہاں اُن کے حامی لشکر سے اور کچھ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے چند دن مٹھ بھیڑ ہوئی، اور کچھ جانی نقصان بھی ہوا، حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی داڑھی وغیرہ کے بال بالکل نوچ دیئے گئے، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کے گروہوں کی باہم لڑائی ہوگئی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی چار ہزار آدمیوں کے ساتھ بصرہ کی طرف سفر کیا، منقول ہے کہ اُن کے ساتھ چار سو اصحاب بیعت رضوان اور آٹھ سو انصار تھے، خریبہ مقام میں دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت طلحہ وزبیر اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہم کے پاس بھیجا کہ اُنہیں جوڑ اور جماعت سے منسلک ہونے کی دعوت دیں اور اختلاف وتفرقہ کے نقصان سے آگاہ کریں، حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے اول حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اماں جان! اِس شہر میں کیسے تشریف لائی ہیں؟ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ای بنی! الاصلاح بین الناس. بیٹے! لوگوں کے درمیان صلح وجوڑ مقصد ہے۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے اور اُن سے فرمایا کہ میں نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے سفر کی غرض معلوم کی تو انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کے درمیان صلح کے لیے تشریف لائی ہیں، تمہاری کیا غرض ہے؟ تو دونوں حضرات نے فرمایا ہماری بھی یہی غرض ہے، حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: بتاؤ اصلاح کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور کون سی بات پر صلح ہوسکے گی؟ اگر ہم سمجھ گئے تو ہم اُس طریقہ اصلاح کو ضرور اختیار کریں گے، اور اگر سمجھ نہ آیا تو ہم وہ طریقہ اختیار نہیں کریں گے۔ دونوں حضرات نے فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کی حوالگی صلح کی صورت ہے۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اہل بصرہ میں سے قاتلین عثمان تم نے قتل کیے، تو نتیجہ یہ

ہوا کہ تم نے چھ سو آدمی مارے تو اُن کی وجہ سے چھ ہزار آدمیوں کو غصہ دلایا، تم نے حرقوص بن زہیر مانگا تو چھ ہزار اُس کے محافظ کھڑے ہو گئے۔ اگر تم (فی الحال) اس کام سے باز آ جاؤ، تب صلح کی صورت پیدا ہو جائے گی اور اگر تم نے قاتلین سے لڑائی کی تو نتیجہ یہ کہ وہ فساد پیدا ہو جائے گا جس سے بچنا چاہتے ہو، تمہیں قاتلین عثمان کے قتل میں مصلحت نظر آتی ہے، لیکن اس سے تمہاری مطلوب مصلحت سے بڑھ کر فساد پیدا ہو گا، تو جیسے تم حرقوص پر قابو پانے سے عاجز ہو کر معذور ہو حضرت علی رضی اللہ عنہ فی الحال قاتلین عثمان کے قتل سے اِس سے بڑھ کر معذور ہیں، وہ اس میں تاخیر کر رہے ہیں تا کہ قدرت حاصل ہو جائے پھر اُن پر قابو پائیں گے۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا تو پھر تمہاری کیا رائے ہے؟ عرض کیا اِس کا علاج یہ ہے کہ سکون پیدا ہونے دیں، جب سکون ہو جائے گا تب اُن کو قابو میں لایا جا سکے گا، لہٰذا اب بھی پہلے کی طرح تم لوگ خیر کی چابی بن جاؤ، ہمیں مصیبت میں نہ ڈالو، نہ خود پھنسو۔[البدایہ]

اِن حضرات نے بات سن کر قبول کی اور فرمایا تم نے بالکل درست کہا بہتر کہا، اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور وہ بھی یہی رائے رکھتے ہوں تو معاملہ ٹھیک ہو جائے گا۔

حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ نے جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ساری بات بتائی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آیا اور سب لوگ صلح کی انتظار کرنے لگے، ہاں کئی خوش ہوئے تو کئی (سازشی) ناخوش بھی ہوئے۔

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ میں صرف صلح کے لئے ہی آئی ہوں، تو دونوں طرف کے حضرات کو خوشی ہوئی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا بس کل میں بھی واپس جانے لگا ہوں اور تم بھی واپس ہو وو، اور جس کسی نے قتل عثمان میں ذرا بھی مدد کی ہے، وہ ہمارے ساتھ نہ چلے۔

یہ خطبہ اور اعلان سن کر سازشی لوگ تقریباً ڈھائی ہزار کی تعداد مشورہ کے لیے جمع ہوئے جن میں اشتر نخعی اور عبداللہ بن سباء اور شریح بن اوفی اور سالم بن ثعلبہ، غلاب بن ہیثم وغیرہ کے نام آتے ہیں، اُن میں کوئی صحابی نہیں تھا، اِن لوگوں نے کہا کہ اِس صلح کے نتیجہ میں تم سب ہی نے قتل ہونا ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی قاتلین سے قصاص کے طالب ہوں گے، تم تھوڑے ہو یہ زیادہ ہیں، ابن سباء نے کہا تمہاری جماعت اِن لوگوں میں مخلوط ہے بس جب یہ لوگ آمنے سامنے ہوں، اِن میں ایسے انداز سے لڑائی چھیڑ دو کہ اِن لوگوں کو اکٹھے ہو کر مشورہ کرنے اور سوچنے کا موقع تک نہ ملنے پائے، تو تمہیں قتل نہ کر سکیں گے اور جس صلح کو پسند کر رہے ہیں اُس سے مشغول ہو جائیں گے، اور جو تفرقہ ناپسند کر رہے ہیں اُس میں پڑ جائیں گے۔[بدایہ]

یہی مشورہ سوچ کر منتشر ہو گئے، ادھر دونوں طرف سے صلح وجوڑ کی بات ہوئی، نہ تو حضرت طلحہ وزبیر اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہم اور اُن کے ساتھی لڑائی چاہتے تھے، نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اُن کی جماعت لڑائی کے خواہش مند تھے، دونوں جماعتوں کے دل مطمئن تھے، مخلصین نے رات خیر سے گذاری مگر سازشیوں کی رات بری تھی، ساری رات مشورے کرتے رہے، آخر اتفاق کیا کہ صبح کے اندھیرے میں لڑائی شروع کر دینی ہے، چنانچہ فجر کا وقت شروع ہونے سے پہلے اٹھے اور اچانک اس طرح لڑائی چھیڑی کہ ہر ایک کو اپنے اسلحہ کی طرف متوجہ ہونا پڑا، اور حضرت طلحہ وزبیر وغیرہم رضی اللہ عنہم یہ سمجھ رہے تھے کہ صلح کی بات ہو چکنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے دھوکہ دے دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی یہ سمجھے کہ حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم نے عہد شکنی کی، حضرت طلحہ وزبیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہر ایک اپنی اپنی جماعت سے کہہ چکے تھے کہ خیال کرنا لڑائی میں پہل نہیں کرنی، ادھر سے صلح ہو گی تو ہماری طرف سے صلح ہے، اور لڑائی ہو گی تو لڑنا مجبوری ہوگا، لڑائی کے دوران بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے لوگو! لڑائی سے رُکو، رُکو، **اَلَا کُفُّوا، اَلَا کُفُّوا**، مگر کوئی نہ سنتا تھا، عبداللہ بن سباء کی سبائی پارٹی خوب قتل وغارت میں لگے ہوئے تھے، کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دے رہے تھے۔

آخر قاضی بصرہ حضرت کعب بن سور رحمہ اللہ نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا سے عرض کیا ام المؤمنین! کچھ کیجیے! شاید آپ کی برکت سے صلح ہو جائے، ام المؤمنین رضی اللہ عنہ کجاوے میں بٹھائی گئیں، اور پردے لٹکائے گئے، جہاں سے سب لوگ دیکھ سکتے وہاں آ کر اونٹ ٹھہرایا، حضرت کعب بن سور قرآن مجید بلند کر رہے تھے کہ قرآن مجید کی طرف آ جاؤ، سبائیوں نے اُنہیں تاک کر یکبارگی نیزے مارے اور اُنہیں شہید کر دیا، ام المؤمنین فرما رہی تھیں۔

الله الله! یابنی! اذکروا یوم الحساب اللہ کا واسطہ، اللہ کا واسطہ، بیٹو! حساب کا دن یاد کرو۔

اور دونوں ہاتھ بلند کر کے قاتلین عثمان پر لعنت اور بد دعا کر رہی تھیں، اور لوگوں کو لڑنے سے منع فرما رہی تھیں، مگر گھمسان کی لڑائی جاری تھی، کسی وقت اہل بصرہ (حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی جماعت والے) غالب ہوتے اور کبھی اہل کوفہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت) حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس لڑتے ہوئے بڑی تعداد شہید ہوئے، اور کافی تعداد کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے، ام المؤمنین کے اونٹ کی لگام پکڑنے والوں میں ایک محمد بن طلحہ سجاد رضی اللہ عنہ کا بھی ذکر ہے، انہوں نے لگام پکڑتے ہوئے اماں جی سے عرض کیا اماں جان حکم فرماؤ، اماں جی نے فرمایا:

آمرک ان تکون کخیرا بنی آدم۔ میرا حکم یہ ہے کہ حضرت ہابیل رضی اللہ عنہ کا کردار ادا کرو! (مارے جاؤ مگر کوئی جان نہ مارو)

سبائیوں کی ایک جماعت نے آ کر اُنہیں بھی شہید کر دیا، لگام پکڑے ہوئے حال میں آخری شہید ہونے والے زفر بن حارث ہیں، آخر ایک شخص نے آ کر ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے اونٹ کے پاؤں پر ضرب لگائی جس سے اونٹ زمین پر جا گرا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ کجاوہ اٹھالیں، محمد بن ابی بکر اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے لئے خیمہ لگائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حاضر ہو کر سلام کیا اور عرض کیا اماں جان کیسا حال ہے؟ اماں جان نے فرمایا خیریت سے ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اماں جان کو دعاء دی **یغفر اللہ لکِ** اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائیں، اماں جان نے بھی دعاء دی **یغفر اللہ لکَ** اللہ تعالیٰ آپ کو بھی معاف فرمائیں۔[البدایہ مختصراً]

لڑائی کے دوران حضرت عمار و زبیر رضی اللہ عنہما کا سامنا:

لڑائی کے دوران حضرت زبیر اور عمار رضی اللہ عنہما میدان میں آمنے سامنے ہوئے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر نیزے سے بظاہر قابو پانے لگے، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اُن پر حملہ سے رُک رہے تھے، اور فرمارہے تھے ابوالیقظان! کیا آپ مجھے قتل کرتے ہیں؟ فرمایا: اے ابوعبداللہ! (شاید اپنی حفاظت مقصود تھی)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: حضرت زبیر اس لیے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو چھوڑ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار سے متعلق فرمایا تھا کہ تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، ورنہ حضرت زبیر اُن سے طاقت میں بڑھ کر تھے۔

حضرت علی اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کا سامنا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی واپسی:

جب جماعتیں آمنے سامنے ہوئی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو تلاش کیا تا کہ اُن سے بات کریں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: **یازبیر! انشدک اللہ اسمعتَ رسول اللہ ﷺ یقول: انک تقاتلنی وأنت لی ظالم؟ قال: نعم! ولم اذکرہٗ الا فی موقفی ھٰذا.** زبیر! تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں (بتا) کیا تو نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تو مجھ (علی) سے لڑے گا اور تو میرے حق میں قصور کرنے والا ہوگا؟ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: واقعی سنا تھا، مگر یہ فرمان مجھے ابھی اِسی جگہ ہی یاد آیا ہے۔(امام ابن کثیر نے فرمایا یہ محفوظ حدیث ہے)

ایک روایت میں ہے کہ فرمایا (بس) اللہ کی قسم میں آپ سے نہیں لڑوں گا، تو حضرت زبیر صفیں چیرتے ہوئے سواری پر واپس ہوئے، تو اُنہیں بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ملے اور عرض کیا کہ کیا ہوا؟ فرمایا: مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کا یہ فرمان یاد دلایا ہے، تو عبداللہ نے عرض کیا آپ کوئی لڑنے

تو نہیں آئے، آپ تو اس لیے آئے تھے کہ لوگوں میں صلح کی صورت پیدا ہو اور آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ معاملہ درست کردے۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں قسم کھا چکا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نہیں لڑوں گا، حضرت عبداللہ نے عرض کیا تو پھر اپنا غلام جرجس آزاد کرلو اور ٹھہرے رہو تا کہ لوگوں میں صلح ہو جائے، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے غلام آزاد کیا اور ٹھہرے رہے، مگر جب لوگوں کا حال مختلف ہو گیا تو اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر چلے گئے۔ [البدایہ]

آخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وادی سباع میں تھے، عمرو بن جرموز نے ان کا پیچھا کیا، سوئے ہوئے تھے کہ عمرو نے آکر شہید کر دیا۔ رضی اللہ عنہ

رفاعہ بن ایاس بن ابی ایاس سے عن ابیہ عن جدہ روایت ہے کہ ابوایاس فرماتے ہیں کہ: جنگ جمل میں مَیں نے سنا حضرت علی حضرت طلحہ کو فرما رہے تھے (رضی اللہ عنہما) کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا کہ: **اللھم وال من والاہ وعادمن عاداہ** اے اللہ! جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرے تو اُس سے محبت کر اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دشمنی کرے تو اُس سے دشمنی کر۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا واقعی ضرور میں نے سنا ہے۔

تو پھر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے لڑائی سے واپس ہونے کا ارادہ کرلیا۔ (مگر شہید کر دیئے گئے۔) [مسند البزار: ۳/۱۷۱، ح: ۹۵۸، الاعتقاد للبیھقی: ۳۷۱، مجمع الزوائد، ح: ۱۴۶۲۵]

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: یہ بھی منقول ہے کہ جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تیر لگا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کے ہاتھ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں بیعت کرلی پھر وفات پائی، یہ خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو فرمایا اللہ اکبر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اِس بات سے انکار فرما دیا کہ وہ جنت میں داخل ہوں اور اُن کی گردن میں میری بیعت نہ ہو۔ [الاعتقاد: ۳۷۱]

آخر کسی طرح لڑائی ختم ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں جماعتوں کے مقتولین کی نماز جنازہ پڑھائی، دونوں جماعتوں کے مقتولین کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے۔

رات کو حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا محمد بن ابی بکر کے ساتھ بصرہ پہنچیں اور عبداللہ بن خلف خزاعی کے گھر ٹھہریں، کئی مسلمانوں کا حال معلوم کیا، جو ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی جماعت کے شہید ہوئے اور جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت کے شہید ہوئے اُن کا معلوم کر کے اُن کے لئے دعاء رحمت فرماتیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی فارغ ہو کر بصرہ تشریف لائے، اہل بصرہ نے اُن کی بیعت کی، حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے ملاقات کی اجازت مانگی اور سلام عرض کیا، ام المؤمنین رضی

اللہ عنہا نے سلام کا جواب دیا اور مرحبا کہا۔**فاستأذن ودخل فسلّم عليها ورحبت به .**

اِسی وقت کا یہ واقعہ بھی درج ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا امیر المؤمنین ! دروازے پر دو آدمی ہیں وہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے خلاف بک بک کررہے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اُن دو آدمیوں کو سو سو کوڑے مارو، اور اُن کے کپڑے بھی اتاردو۔

فقال له رجل ياامير المؤمنين !ان على الباب رجلين ينالان من عائشة ،فامر عليّ القعقاع بن عمرو ان يجلد كل واحدمنهمامائة وان يخرجهمامن ثيابهما.[البدایہ: ۱۰/۴۷۱]

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی معذرت:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے اِس موقع میں کسی جماعت کی مدد نہ کی، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ بصرہ تشریف لائے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، حضرت عبدالرحمٰن نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: مریض کہاں ہے یعنی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ؟ عرض کیا: امیر المؤمنین !اللہ کی قسم واقعی وہ بیمار ہیں ،اور وہ آپ کی تشریف آوری کے خواہش مند ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چل کر حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کی انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (مدد نہ کرنے کی) معذرت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کی معذرت قبول کی، اور فرمایا: بصرہ سنبھالو! انہوں نے ناں کردی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی بنانے کا مشورہ دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بصرہ کا والی بنایا اور اُن کے ساتھ بیت المال وغیرہ کے لیے زیاد بن ابیہ کو کردیا۔

اماں جی کی بصرہ سے واپسی:

حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے جب بصرہ سے واپسی کرنے کا ارادہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سواری وغیرہ ضروریات کا انتظام فرمایا، اور جو حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ آئے تھے اور شہید نہیں ہوئے اُن کو فرمایا کہ بصرہ میں رہنا چاہو تو رہ سکتے ہو اور واپس جانا چاہو تو بھی اجازت ہے، اماں جی رضی اللہ عنہا کو بصرہ کی چالیس عورتوں کے ساتھ روانہ فرمایا ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے رخصت ہوتے وقت فرمایا:

يابني! لايعتب بعضناعلى بعض ،انه والله ماكان بيني وبين علي في القدم إلامايكون بين المرأة وأحمائهاوانه على معتبتي لمن الاخيار. بیٹو! ایک دوسرے پر طعن نہ کرنا، اللہ کی قسم میرے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان شروع سے ہی وہی بات ہے جو ایک عورت اور اس کے دیور کے درمیان ہوتی ہے، وہ میری ناراضگی کے باوجود بہترین آدمی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ام المؤمنین نے سچ فرمایا اللہ کی قسم میرے اور اُن کے درمیان بس یہی بات ہے، اور بیشک وہ تمہارے نبی ﷺ کی دنیا و آخرت میں بیوی ہیں۔

فقال علی صدقت واللہ ما کان بینی وبینھا الاذاک وانھا لزوجۃ نبیکم ﷺ فی الدنیا والآخرۃ. [البدایۃ:۱۰/۲۴۷]

کئی میل تک حضرت علی رضی اللہ عنہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو رخصت کرنے کے لیے چلتے رہے، اماں جی بصرہ سے واپس مکہ تشریف لائیں اور ایام حج میں حج کر کے پھر مدینہ طیبہ سکونت پذیر ہوئیں۔

آمدم برسر مطلب:

پورا واقعہ اس لیے بیان کرنا پڑا تا کہ دونوں جماعتوں کی لڑائی کی اصل حقیقت سمجھ آئے، اس ساری تفصیل سے واضح ہوا کہ:

اول:......حضرت ام المؤمنین اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی جماعت حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مخالفت میں باہر نہیں نکلے تھے بلکہ قاتلین عثمان کے خلاف معرکہ لڑ کر لوگوں کے حالات کی درستگی اور امن اُن کا مقصود تھا۔

دوم:......اِن حضرات نے امن کی صورت یہی سمجھی تھی کہ قاتلین عثمان قتل کر دیئے جائیں، کیوں کہ وہی فساد کی بنیاد ہیں اور انھوں نے ہی فساد شروع کیا۔

سوم:......حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یہی سمجھتے تھے کہ قاتلین عثمان ہی فساد کی جڑ ہیں، مگر اختلاف اصلاح پیدا ہونے اور فساد ختم ہونے کی صورت میں تھا، وہ سمجھتے تھے کہ قاتلین کا فوری قتل اصلاح کی صورت نہیں، فی الحال خاموشی سے اصلاح ہو سکتی ہے، استحکام خلافت کے بعد قصاص لیا جا سکے گا۔

چہارم:......آمنے سامنے آنے کے بعد باہمی بات چیت کے نتیجہ میں ابتداء ہی سے صلح ہو گئی تھی، اور مناسب وقت پر قاتلین سے قصاص طے ہو گیا تھا۔

پنجم:......دونوں فریقوں میں سے کسی ایک مخلص مؤمن نے بھی معرکہ نہیں چھیڑا بلکہ جنگ جمل چھیڑنے والے سبائی عبداللہ بن سباء کا گروہ تھا، کیوں کہ صلح میں اُن کی موت تھی۔

ششم:......حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس طرح اُن کی اپنی جماعت کے لوگ مسلمان تھے حضرت طلحہ وزبیر اور ام المؤمنین رضی اللہ عنہم کی جماعت کے لوگ بھی مسلمان تھے کیوں کہ نماز جنازہ مسلمانوں کی پڑھی جاتی ہے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے فریق کے شہداء کی بھی نماز جنازہ پڑھائی ہے۔

ہفتم:......حضرت علی رضی اللہ عنہ جس طرح پہلے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو قابل احترام سمجھتے تھے

اور اُن کی عزت کرتے تھے، اس واقعہ کے بعد بھی اُن کا احترام کرتے تھے۔

ہشتم:......اس معرکہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابل آنے والے حضرات کو احساس ہو گیا کہ اُن سے غلطی ہوئی ہے، قاتلین عثمان سے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکمت عملی ہی درست تھی، مگر چوں کہ یہ غلطی اجتہادی خطاء ہے، اس لیے غلطی کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اُن کا پورا احترام کرنے کی کوشش فرمائی۔

نہم:......حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے خلاف کوئی کلمہ بولا ہے نہ بولنے کی اجازت دی ہے بلکہ بکنے والوں کو سو کوڑے لگوائے ہیں۔

دہم:......اس سفر کے نتیجے میں جو نقصان ہوا اُس پر حضرت علی اور ام المؤمنین اور اُن کی جماعت کے مخلصین رضی اللہ عنہم کو بے حد افسوس اور ندامت تھی، اِسی ندامت کے سبب حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو بھی احساس ہوا کہ یہ سفر نہیں کرنا چاہیے تھا، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی احساس ہوا، بلکہ حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا تو راستے سے ہی واپسی کرنا چاہتی تھیں۔

وقد مروا فی مسیرهم لیلاً بماء یقال له الحوأب فنبحتهم کلاب عندهٗ فلماسمعت ذلک عائشة، قالت: ماسم هٰذا المکان؟ قالوا: الحوأب! فضربت بإحدی یدیها علی الأخری، وقالت: إنالله وإنا إلیه راجعون، ما أظننی إلاراجعة، قالوا: ولم؟ قالت: سمعتُ رسول الله ﷺ یقول لنسائهٖ: لیت شعری أیتکن التی تنبحها کلاب الحوأب، ثم ضربت عضد بعیرها فأناخته، وقالت: ردونی! ردونی! أنا والله صاحبة ماء الحوأب ..... فأناخ الناس حولها یومًا ولیلة .... [البدایة: ۲۵۸/۷، الکامل لابن اثیر: ۵۷۳/۲، تاریخ الطبری: ۴۵۷/۴، المختصر فی اخبار البشر: ۱۷۳/۱، الاستقصاء لأخبار دول المغرب الأقصی: ۱۰۰/۱، امتاع الاسماع بماللنبی من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع: ۱۳/ ۲۳۲، البدء والتاریخ: ۲۱۱/۵، تاریخ الاسلام للذهبی: ۳۸۹/۱، تاریخ ابن خلدون: ۲۰۸/۲ وغیرہ]

اسی سفر میں ایک رات حوأب پانی کے پاس سے گذرے تو وہاں کتے بھونکے، جب ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے سنا تو پوچھا: اس جگہ کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے بتایا حوأب! تو ایک ہاتھ دوسرے پر مارا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا: میرا خیال ہے میں واپس ہوتی ہوں، لوگوں نے عرض کیا: کیوں؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ بیویوں کو فرما رہے تھے کہ نا معلوم تم میں سے وہ کون ہوگی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے؟ پھر اونٹ کی ٹانگ پر مار کر اُس کو بٹھا دیا، اور فرمایا: مجھے واپس بھیجو! مجھے واپس بھیجو! میں وہی حوأب کے پانی والی ٹھہری، ۔۔۔۔ تو دوسرے لوگوں نے بھی ایک دن رات اُن کے آس پاس اونٹ بٹھائے رکھے۔

مگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اصرار کے ساتھ واپسی سے

روک دیا اور رائے ظاہر کی کہ شاید اللہ تعالیٰ آپ کے سبب مسلمانوں میں صلح پیدا فرمادے (جو اس سفر کا مقصود ہے) مگر وہ صورت حال ہوگئی جو آپ نے پڑھ لی۔

اب جنگ جمل میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی غلطی کیا ہوسکتی ہے؟ اور اس کا جواب کیا دیا جا سکتا ہے؟

یہ غلطی تو نہیں ہے کہ ام المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر سے لڑی ہوں یا کسی بھی وقت کسی ایک کلمہ سے ہی لڑنے کی ترغیب دی ہو، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف کچھ بولا ہو۔

اگر یہ غلطی ہوئی کہ اُنہیں معلوم ہی نہ تھا کہ حوأب کا علاقہ اسی سفر میں آئے گا، تو یہ علم نہ ہونا تو کوئی غلطی نہیں کیونکہ وہ عالم الغیب تو نہ تھیں، صرف اتنی غفلت ہوئی کہ سفر شروع کرنے سے پہلے کسی سے معلوم نہ کرلیا کہ حوأب اِس راستے پر اور اس سفر میں آگے آئے گا، مگر اُنہیں اِس کا وہم بھی نہ تھا اس لیے معلوم نہیں کیا، اور یہ کبیرہ گناہ تو کیا صغیرہ گناہ بھی نہیں ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولم تكن سألت قبل المسيرعن الحوأب هل هوواقع في طريقهاأم لا حتى نبحتهافي اثناء المسير كلاب عندماء .....فكانهارضى الله عنهارأت سكوتهاعن السوال وتحقيق الحال قبل المسيرتقصيرامنهاوذنبابالنسبة الى مكانهافبكت لهٗ (روح المعاني ۲۲/۱۱) (جنگ جمل یاد کر کے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا روتی تھیں، رونے کا سبب حدیث کلاب حوأب یاد آنا بھی ہوسکتا ہے) چوں کہ بصرہ کی طرف چلنے سے پہلے یہ پوچھ نہ لیا تھا کہ حوأب اِس راہستہ میں آتا ہے یا نہ؟ یہاں تک کہ حوأب پانی پر پہنچنے پر کتے بھونکے، تو لگتا ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے سفر شروع کرنے سے پہلے اُس کے متعلق پوچھنے اور تحقیق حال سے خاموشی کو اپنی کوتاہی سمجھا اور اپنے مرتبے کے اعتبار سے اِس کو گناہ سمجھا اس لیے روتی تھیں۔ (گو حقیقت میں گناہ نہ تھا)

قاتلین عثمان سے قصاص لینے پر دونوں جماعتوں کا اتفاق تھا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ خلافت مستحکم ہوجائے، اور انتشار وخوف وہراس کے حالات ختم ہوجائیں پھر قصاص لینا آسان ہوگا، اس لئے قصاص مؤخر کرنا چاہیے، اِن حضرات کے خیال میں قصاص جلد لینا چاہیے، بس یہی اختلاف رائے ہوا، اور اِس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے زیادہ درست تھی، اور دوسرے حضرات کی رائے اور اقدام کو درست نہ تھی مگر یہ غلطی بھی نہ صغیرہ گناہ کے درجے کی ہے نہ ہی کبیرہ گناہ کے درجے کی، بلکہ یہ ایک اجتہادی خطاء ہے جس میں مجتہد کو گناہ تو ذرا بھر نہیں ہوتا ہاں اجر ضرور ملتا ہے۔ لہٰذا اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا پر کسی طرح طعن نہیں کیا جا سکتا، اُن کا دامن بالکل صاف ہے۔ **فقط والله اعلم وعلمه اتم.**

☆......☆......☆......☆

ٹائٹل نمبر۲ کا بقیہ......(کیا عقیدہ امامت کو'ختم نبوت کے منافی' قرار دینے کی بنیاد خواب پر ہے؟)

[۳]......امام ابوعبداللہ محمد بن احمدؒ (۶۷۱ھ) اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' (تفسیر قرطبی) میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''تمام اقوال کے مطابق علم قطعی اور یقین ضروری حاصل ہو چکا ہے اور سلف وخلف کا اجماع اس پر منعقد ہو چکا ہے کہ اللہ جل شانہ کے وہ احکامات جو ان کے امر و نہی پر مشتمل ہیں ان کو پہچاننے کا کوئی طریقہ نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان کو رسولوں سے حاصل کیا جائے۔ اور جس شخص نے یہ کہا کہ: رسولوں سے ہٹ کر کوئی اور طریقہ بھی ہے جس میں رسولوں سے مستغنی ہو کر اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کو معلوم کیا جا سکتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے، اس کو قتل کر دیا جائے گا اور توبہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جائے گا، نہ ہی اس سے کسی مزید سوال وجواب کی ضرورت ہے۔

پھر ایسا کہنا (کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کرنے کا کوئی اور ذریعہ بھی موجود ہے) یہ درحقیقت آنحضرت ﷺ کے بعد دوسرے انبیاء کی نبوت کا اثبات ہے، حالانکہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم انبیاء ورسل بنایا ہے، اب آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو کہتا ہے کہ: احکام الٰہی میں وہ اپنے دل سے فیصلہ لے اور اسی کے تقاضے کے مطابق عمل کرے اور یہ کہے کہ اسے کتاب وسنت کی حاجت نہیں ہے تو لاریب ایسے شخص نے اپنے لیے ''خاصہ نبوت'' کو ثابت کر لیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''روح القدس (جبریل) میرے دل میں بات ڈال رہے ہیں۔'' [تفسیر قرطبی، الکہف، آیت: ۷۹۔۸۲]

[۴]......حضرت مجدد الف ثانیؒ (المتوفی: ۱۰۳۴ھ) کے حوالے سے مولانا سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ''ردِّ روافض'' میں رافضیوں کے مسلمان نہ ہونے کے تین وجوہ بیان فرمائے ہیں:......[۳] یہ ائمہ کو معصوم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اماموں پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تو پھر نبی اور امام میں کیا فرق ہوا؟ گویا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ نبی مانتے ہیں یہ ختم نبوت کا انکار ہوا۔'' [**ذخیرۃ الجنان: ۱۲۸/۸**]

[۵]......فقہ شافعی کے عالم شیخ محمد البرزنجی الشافعی رحمہ اللہ (المتوفی: ۱۱۰۳ھ) لکھتے ہیں:

''.. أو اعتقاد حصول مرتبة النبوة للأمة الاثنا عشرية كما مر مفصلا....'' [النواقض للروافض: ۱۲۵ بحوالہ مسودہ مولانا اسماعیل] (ترجمہ) یا وہ (عقیدہ امامت کا قائل ہو کر) ائمہ اثنا عشریہ کے لیے مرتبہ نبوت کے حصول کا عقیدہ رکھتا ہو، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے۔ (تو وہ بھی منکر ختم نبوت ہوگا۔)

(۲)......دوسری وجہ یہ ہے کہ خواب کی بات صرف اتنی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب

میں حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو صرف متوجہ فرمایا تھا کہ ان کے عقیدہ امامت پر غور کرو۔ بس! باقی غور وفکر اور عقیدہ امامت کو ختم نبوت کے منافی قرار دینے کی بات تو خواب کی نہیں۔ چنانچہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حکیم العصر شیخ الحدیث مولانا عبد المجید لدھیانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے روحانی طور پر روحانی فیض حاصل کرتے ہوئے خواب میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ جب زیارت ہوئی تو میں نے سوال کیا کہ: یارسول اللہ! آپ شیعہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ ان کے دین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان کا دین باطل ہے۔ اوران کے دین کا بطلان لفظ ''امام'' سے واضح ہے۔'' یہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خواب میں اتنی بات ہوئی۔ تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں نے بیدار ہونے کے بعد اس میں غور کیا کہ یہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''ان کے دین کا بطلان لفظ ''امام'' میں ہے۔'' اِس کا کیا مطلب؟ جب میں نے امام کے متعلق ان کے عقیدے کی تفصیل پڑھی کہ وہ امام کو معصوم مانتے ہیں، مفترض الطاعۃ مانتے ہیں کہ اس کی اطاعت فرض ہے، اس کو تحلیل وتحریم کا اختیار دیتے ہیں کہ جس چیز کو چاہے وہ حلال کردے، جس چیز کو چاہے وہ حرام کردے۔ اوراس کو موحیٰ الیہ مانتے ہیں کہ اس کی طرف وحی بھی آتی ہے۔

تو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں سمجھا کہ یہ تو ساری صفات نبی کی ہیں جو انہوں نے مان لیں۔ اگرچہ انہوں نے نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا، لیکن امام کو فائز کرلیا نبوت پر۔ اس لیے ان کے کفر کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ جو فرمایا تو گویا اس سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ اور ایسی شخصیات کو نبوت کے منصب پر چڑھا دیا گیا، اگرچہ نبی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، لیکن لوازمات سارے کے سارے وہی آگئے تو میں سمجھا کہ یہی بناء ہے ان کے کفر کی۔'' [خطبات حکیم العصر: ۱۶۴/۵۔۱۶۶]

اور خود حضرت امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''(ترجمہ) میں نے لفظ امام میں غور وفکر شروع کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ امام ان کی اصطلاح میں معصوم، مفترض الطاعۃ اور مخلوق کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور نامزد ہوتا ہے۔ اور شیعہ امام کے حق میں وحی باطنی کے قائل ہیں۔ پس در حقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔'' [وصیت نامہ: ۶، کانپور]

لہٰذا اِن تمام حوالہ جات اور تصریحات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ: ''اِس کی بنیاد خواب پر ہے۔'' بالکل غلط اور خلافِ حقیقت ہے۔

☆......☆......☆......☆

مجلہ صفدر کے دستیاب خاص نمبرات اور اہم مضامین

حقیقت میلاد نمبر......میلاد کے بارے میں اکابر اہل سنت کی تحریرات کا مفید مجموعہ......ش:۸۲...... قیمت:50

گوشۂ خاص......بیاد: شیر اسلام حضرت مولانا علامہ علی شیر حیدری شہیدؒ......ش:۱۲/۱۳...... قیمت:30

گوشۂ خاص......بیاد: مولانا سید صفی اللہ شاہؒ، (المعروف سید عبدالکریم شاہؒ) نہڑ والی بہاولپور......ش:۱۹...... قیمت:20

گوشۂ خاص......بیاد: تلمیذ حضرت مدنیؒ مولانا سید **اصلح الحسینی**ؒ، کراچی......ش:۴۴...... قیمت:35

گوشہ خاص......مشاجرات صحابہ اور اہل سنت کا مسلک اعتدال......مولانا مجیب الرحمٰن......شمارہ:۸۶، قیمت:25

عمار خان ناصر اور مولانا زاہد الراشدی کے بارے اکابر کا فیصلہ اور اس کی وجوہات......ش:۳۸...... قیمت:25

مولانا زاہد الراشدی صاحب کی اکابر وفاق سے خط و کتابت اور کمیٹی کے قیام کی روداد۔ش:۴۲/۴۳۔ قیمت:50

ارباب الشریعہ کی خدمت میں! (عمار ناصر کے بارے مولانا راشدی مدظلہم کا طرزِ عمل) ش:۴۲ تا ۴۵......110

مولانا زاہد الراشدی اور عمار خان ناصر کے نام مولانا مفتی محمد تقی عثانی مدظلہم کا مکتوب گرامی......ش:۴۴......35

مولانا راشدی کی الشریعہ اور عمار خان سے براءت، حقیقت کیا ہے؟......ش:۶۰/۶۱/۶۲...... قیمت:75

دیوبندی بریلوی اختلاف اور شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ......ش:۴۴...... قیمت35

محترم جناب حاجی اشتیاق احمد صاحب رحمہ اللہ اور اُن کی تحریرات، از: حمزہ احسانی......ش:۵۹...... قیمت:25

افلحت الوجوہ، غازی ممتاز قادری شہیدؒ......از: مولانا احسن خدامی......ش:۶۲...... قیمت:25

غامدی کا جوابی بیانیہ، از: شکیل عثمانی......ش:۶۴...... قیمت:25

آئین محمدی اور قانون غامدی......مولانا عبدالحق خان بشیر......شمارہ:۸۵...... قیمت:25

جاوید احمد غامدی: شخصیت و افکار کا تعارف......صہیب احمد......ش:۷۷...... قیمت:25

حدیث کلابِ حوأب اور قاضی طاہر ہاشمی کی تحقیق پر نظر، از: مولانا مجیب الرحمٰن......ش:۶۵ تا ۷۵...... قیمت:150

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا احسانی و عرفانی مقام......از: مولانا محمد ظفر اقبال......ش:۷۰...... قیمت:25

اللہ تعالیٰ کے لیے......لفظ 'خدا' کا اطلاق......از: مولانا مجیب الرحمٰن......ش:۷۱،۷۲...... قیمت:40

مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ اور مولانا نثار احمد حسینی......از: حمزہ احسانی......ش:۷۳...... قیمت:25

اَفکارِ علوی مالکی: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کی رائے اور مولانا نثار حسینی کی ناانصافی......ش:۷۳

رسالہ ''قضیہ کا خاتمہ'' کا تحقیقی جائزہ، مولانا نثار کی ناانصافیوں اور مغالطہ آمیزیوں کی وضاحت......ش:۷۳

عریضہ بخدمت مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، بابت عقیدہ امامت اور مولانا عبدالمجید لدھیانویؒ......ش:۸۳...... قیمت:۲۵

عقیدہ امامت اکابر اہل سنت کی نظر میں (پچیس سے زائد اکابر اہل سنت کے حوالہ جات)......ش:۸۳

رابطہ: مولانا احسن خدامی، مکان نمبر 4، گلی نمبر 82 محمود سٹریٹ، محلّہ سردار پورہ، اچھرہ، لاہور

0334-4612774__0307-5687800